احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

نومبر 2024ء

حجیتِ حدیث و سنت کا اقرار عقیدۂ رسالت کا اقرار ہے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا علمی و فکری خصوصی خطاب

محبت و عشقِ الٰہی کی علامات و کیفیات

اجتماعی مقصدِ حیات، مصطفوی معاشرے کا قیام

سوشل میڈیا پر اخلاقیات کی پامالی اور اس کا سدِّ باب

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری

چیئرمین سپریم کونسل منہاج القرآن انٹرنیشنل

تنظیمی دورہ کراچی و خیبر پختونخوا

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا تنظیمی دورہ کراچی

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا تنظیمی دورہ خیبر پختونخوا

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

جلد: 38 شمارہ: 11 / جمادی الاول ۱۴۴۶ھ / نومبر 2024ء

بفیضانِ نظر
قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤالدین الگیلانی البغدادی قدس سرہ العزیز

زیر سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

زیر نگرانی
ڈاکٹر حسن محی الدین قادری | ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

چیف ایڈیٹر نور اللہ صدیقی

ایڈیٹر محمد یوسف

ایڈیٹوریل بورڈ
محمد رفیق نجم، ڈاکٹر محمد فاروق رانا، عین الحق بغدادی
محمد بلال اُپل، سید علی عباس بخاری، فیصل حسین مشہدی

مجلس مشاورت
خرم نواز گنڈاپور، احمد نواز انجم، جی ایم ملک
محمد جواد حامد، سرفراز احمد خان، منظور حسین قادری
غلام مرتضیٰ علوی، علی عمران، داؤد حسین مشہدی

قلمی معاونین
مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی، محمد شفقت اللہ قادری
ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی
ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی، ڈاکٹر محمد افضل قادری

حسن ترتیب

اداریہ: حکیم الامت؛ پیکرِ عشق و یقین	چیف ایڈیٹر	5
القرآن: حجیتِ حدیث وسنت کا اقرار عقیدۂ رسالت کا اقرار ہے	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	8
آپ کے فقہی مسائل	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	18
محبت وعشقِ الٰہی کی علامات اور کیفیات	شیخ حماد مصطفیٰ المدنی القادری	23
اجتماعی مقصدِ حیات، مصطفوی معاشرے کا قیام	ڈاکٹر نعیم انور نعمانی	33
عائلی زندگی اور اپنائے حقوق	محمد یوسف منہاجین	40
تقلیدِ فقہی: حقیقت، نوعیت اور ضرورت	مولانا یٰسین اختر مصباحی	52
سوشل میڈیا پر اخلاقیات کی پامالی اور اس کا سدِ باب	محمد اقبال چشتی	60
ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا دورۂ کراچی اور خیبر پختونخوا	خصوصی رپورٹ	70

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ
www.minhaj.info
www.facebook.com/minhajulquran
email:mqmujallah@gmail.com (مجلّہ آفس و سالانہ خریداران)
minhaj.membership@gmail.com (نظامت ممبرشپ/رفقاء)
smdfa@minhaj.org (بیرون ملک رفقاء)

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم — گرافکس: عبدالسلام
خطاطی: محمد اکرم قادری — عکاسی: قاضی محمود الاسلام

قیمت فی شمارہ: 60 روپے — سالانہ خریداری: 700 روپے

انتباہ! مجلّہ منہاج القرآن میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کئے جاتے ہیں ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدل اشتراک: مشرق وسطی جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ وریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

ترسیل زر کا پتہ: اکاؤنٹ نمبر 02930103644000 میزان بینک شالیمار لنک روڈ لاہور پاکستان

ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور UAN:042-111-140-140 Ext: 128

حمد باری تعالیٰ

وہی رازداں فنا کا، وہی رازداں بقا کا
یہ جہاں بھی ہے خدا کا، وہ جہاں بھی ہے خدا کا

وہی خالقِ جہاں ہے، وہی رازقِ جہاں ہے
وہی بندگی کے لائق، وہی مستحق ثنا کا

وہی نورِ خاک داں ہے، وہی نورِ آسماں ہے
وہی نورِ کہکشاں ہے، وہی نور ہے حرا کا

یہ ہے میرا جزوِ ایماں کہ نگاہِ کبریا میں
جو ہے رتبۂ سکندر، وہی مرتبہ گدا کا

یہ ہے اعتراف، مولا کہ ہمیں خبر نہیں ہے
نہ خبر ہے ابتدا کی، نہ پتا ہے انتہا کا

نہ اگر ہو حکم اس کا، نہ اگر رضا ہو اس کی
نہ ہلے شجر کا پتا، نہ چلے نفس ہوا کا

جسے چاہے وہ بنائے، جسے چاہے وہ بگاڑے
وہی شکر اہلِ ایماں، وہی صبر بے نوا کا

کہیں سرکشی خدا سے، نہ ہمیں مٹادے افسر
یہی وقت ہے دوا کا، یہی وقت ہے دعا کا

﴿افسر ماہ پوری﴾

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

دنیائے رنگ و بُو میں مثلِ جان آپ ہیں
میرا سکونِ دل میرا ایمان آپ ہیں

اترا تھا جو حرا سے مقدس رسول پر
وہ چلتا پھرتا بولتا قرآن آپ ہیں

دل میں سجی ہوئی ہے جو روزِ الست سے
اُس بزمِ ذکرِ نور کے مہمان آپ ہیں

ہے تختِ شاہی آپ کا سادہ سا بوریا
لیکن شاہانِ وقت کے سلطان آپ ہیں

وہ بندگانِ حرص ہیں مانگیں جو مال و زر
میرا تو کُل اثاثہ و سامان آپ ہیں

حق مانگنے سے پہلے ہی جو حق ادا کرے
ہر مستحق کے درد کا درمان آپ ہیں

لوگوں کی آرزوؤں کا مجھ کو پتہ نہیں
میری تو آرزوئے دل ارمان آپ ہیں

جس چہرۂ حسیں میں عیاں عکسِ ذات ہو
اس ربِّ کائنات کی پہچان آپ ہیں

وہ قاب قوسین او ادنیٰ کی قربتیں
اس ساری داستاں کے رازدان آپ ہیں

عرشِ معلیٰ پر جنہیں جانے کا شرف ہے
دونوں جہاں میں اولیں انسان آپ ہیں

لا اقسم بھذا البلد کا اعزازِ بے مثل
جن کو ملا وہ صاحبِ عرفان آپ ہیں

اِن دو حقیقتوں سے تو زندہ ہے یہ نظام
یہ کائنات جسم ہے اور جان آپ ہیں

جس گلستاں میں آئے نہ ساحرؔ کبھی خزاں
اُس گلستانِ دیں کے باغبان آپ ہیں

﴿احسان حسن ساحرؔ﴾

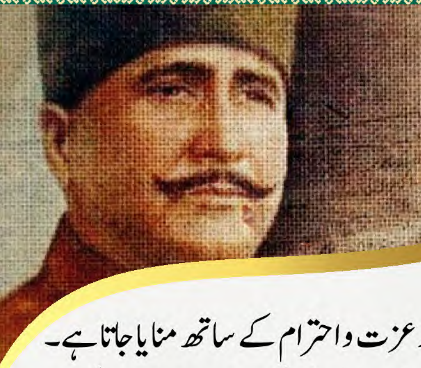

اداریہ

حکیم الامت پیکرِ عشق و یقین

9نومبر کو حکیم الامت کا یوم پیدائش جوش و خروش اور عزت و احترام کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ بلاشبہ حکیم الامت وہ عظیم شخصیت ہیں کہ جن کے فکر و فلسفہ نے برصغیر کے کروڑوں مسلمانوں کو سر اٹھا کر جینے کی تحریک دی اور اُن کے افکار نے مسلمانوں کے دلوں میں الگ وطن کے حصول کی چنگاری کو شعلہ بنایا۔ حکیم الامت قوتِ عمل، جُہد مسلسل اور اُمید کے شاعرِ باکمال ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کے بکھرے ہوئے خوابوں کو قوت اِرادی سے یکجا کیا۔ آپ نے ہمیشہ مایوس مسلمانوں کی ہمت بندھائی، اُنہیں ان کا شاندار ماضی یاد کروایا اور میدانِ عمل میں پھر سے اترنے اور عہدِ رفتہ کی شان و شوکت حاصل کرنے پر آمادہ کیا۔

10 جنوری 1938ء کے دن قریبی احباب کی ایک نشست میں حکیم الامت نے نہایت اُمید افزاء اظہارِ خیال فرمایا کہ مجھے مسلمانوں کے مستقبل سے قطعاً مایوسی نہیں۔ ہمارا کوئی مسئلہ ہے تو قیادت کا ہے، ورنہ ہم میں ہر طرح کی استعداد موجود ہے۔ کیا حکمت اور صداقت سے بھرپور یہ الفاظ ہیں، ان میں ایک امیدِ جاوداں ہے۔ ”ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی“۔ ہم مسلمانوں کا یہ ایمان ہے کہ اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہوں، مایوسی کفر و گناہ ہے۔ جُہد مسلسل اور یقینِ محکم زوال کو کمال میں بدل دینے والے وصف ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اسلام کے نام پر حاصل کیا جانے والا یہ ملک ایک روز صفِ اول کا ملک بنے گا اور حکیم الامت کے یہ کلمات حقیقت بن کر ہمارے سامنے آئیں گے۔ جب پاکستان حاصل کرنے کی جدوجہد کا آغاز ہوا تو مسلمان زوال اور پستی کی انتہائی حدوں کو چھو رہے تھے۔ وہ عزم اور تنظیم سے محروم تھے۔ قیادت اور فکر کا فقدان تھا۔ جب یہ قوم اتحاد کی لڑی میں پروئی گئی تو اللہ نے بیدار مغز اور کُہنہ مشق قیادت بھی عطا کی اور آزادی کی نعمت بھی۔ جب قومیں آزمائش کی چکی میں پستی ہیں تو اُنہیں اتحاد و یکجہتی اور جُہد مسلسل کی کشتی کنارے لگاتی ہے۔ اتحاد و یکجہتی سے مراد باہمی عزت و احترام اور ایک دوسرے کے مرتبے کا لحاظ ہے۔ مقام و مرتبہ کے اس لحاظ نے قوم کے تن مردہ میں جان ڈال دی تھی۔ اگر بانیٔ پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ اور حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ اپنی شخصیت اور اپنے علمی مرتبہ کی نفی کر کے ایک دوسرے کے لیے ہر طرح کی قربانیاں دینے پر آمادہ نہ ہوتے اور قوم کے لیے مہر و وفا کا اور اخلاص کا پیکر نہ بنتے تو برصغیر کے مسلمانوں کو متحرک اور فعال

قیادت میسر نہ آتی اور برصغیر کے مسلمان گروہوں اور ٹولیوں میں بکھر کر اپنی توانائیاں ضائع کرتے رہتے اور ہر دن اُنہیں اُن کی منزل سے دور لے جاتا۔ آیئے بانیٔ پاکستان اور حکیم الامت کے مابین باہمی عزت و احترام کے جذبات محسوس کرتے ہیں۔

بانیٔ پاکستان قائدا عظم محمد علی جناحؒ نے 8 دسمبر 1944ء کو حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ کے یوم پیدائش (یوم اقبال) پر ایک خوبصورت پیغام جاری کیا جو بڑے لوگ، بڑا دماغ اور بڑے ظرف کی تعریف پر پورا اترتا ہے۔ بانیٔ پاکستان نے فرمایا: ”اگرچہ اقبالؒ ہم میں موجود نہیں لیکن اُن کا غیر فانی کلام ہماری راہ نمائی کے لئے باقی ہے جو ہمارے دلوں کو ہمیشہ گرماتا رہے گا، ان کی شاعری جو حُسنِ بیان کے ساتھ حُسنِ معنی کی بھی آئینہ دار ہے، اس عظیم شاعر کے دل و دماغ میں پنہاں ان جذبات اور حیات افروز افکار کی عکاسی بھی کرتی ہے جس کا سرچشمہ اسلام کی سرمدی تعلیم ہے۔ اقبال پیغمبرِ اسلام ﷺ کے سچے اور مخلص پیروکار تھے، وہ اول و آخر مسلمان اور اسلام کے مفسر اور شارح تھے۔ اقبالؒ محض ایک فلسفی اور مبلغ نہیں تھے وہ حوصلہ، عمل، استقامت اور خود اعتمادی کے پیکر بھی تھے اور سب سے بڑھ کر انہیں اللہ تعالیٰ پر لازوال ایمان و ایقان تھا اور وہ اسلام کی خدمت کے جذبہ سے سرشار تھے۔ ان کی ذات ایک شاعر کے بلند مقاصد کے ساتھ ایک عملی انسان کی حقیقت پسندی کا حسین امتزاج تھی۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان کے ساتھ سعی پیہم اور مسلسل جدوجہد اُن کے پیغام کا جزو لاینفک تھا اور اس لحاظ سے وہ صحیح معنوں میں اسلامیت کا نمونہ تھے۔ انہیں اسلام کے اصولوں سے ایک غیر فانی لگاؤ تھا، ان کے نزدیک زندگی میں کامیابی کا راز اپنی خودی کا شعور حاصل کرنا تھا اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے وہ اسلام کی تعلیمات پر نہ صرف یقین رکھتے تھے بلکہ اسے حقیقی شاہراہِ عمل بھی گردانتے تھے۔ انسانیت کے لئے ان کا پیغام عمل اور خودی کا شعور ہے“۔

اسی طرح حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ بانیٔ پاکستان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ اگرچہ آپ ہندوستان کے عظیم شاعر، فلاسفر اور مبلغ تھے، آپ کی شہرت گھر گھر اور شہر شہر میں پھیلی ہوئی تھی لیکن اس سب کے باوجود آپ بانی پاکستان قائدا عظم محمد علی جناحؒ کے مداح تھے۔ وہ ہمہ وقت آپ کی راہ نمائی کرتے اور الگ وطن کے مشن کی کامیابی میں اپنے مشوروں سے بروقت نوازتے۔ ایک موقع پر حکیم الامت کے دوست ڈاکٹر چکرورتی نے کہا کہ پنڈت نہرو سے جب کبھی آپ کا ذکر ہوا تو انہوں نے بڑی عقیدت کا اظہار کیا۔ میری خواہش ہے کہ پنڈت صاحب جب لاہور آئیں تو آپ سے ایک ملاقات ہو جائے۔ حکیم الامت نے فرمایا کہ مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ پھر ایک دن پنڈت لاہور آئے اور حسبِ وعدہ ملاقات کا اہتمام کیا گیا۔ پنڈت نہرو کے لئے حکیم الامت کے کمرے میں کرسیاں لگائی

گئیں مگر وہ تعظیماً کرسیوں پر بیٹھنے کی بجائے فرش پر بچھے قالین پر ہی بیٹھ گئے۔ اقبال اور پنڈت نہرو کے درمیان تحریک آزادی اور مسلمانوں کے مستقبل و دیگر آئینی اُمور پر مکالمہ ہوا۔ ملاقات کے اختتام پر اسی نشست میں پنڈت نہرو کے ساتھ آئے ہوئے میاں افتخار الدین نے حکیم الامت سے کہا کہ ’’ڈاکٹر صاحب! آپ مسلمانوں کے لیڈر کیوں نہیں بن جاتے؟ مسلمان مسٹر جناح سے زیادہ آپ کی عزت کرتے ہیں، اگر آپ مسلمانوں کی طرف سے کانگریس سے گفت و شنید کریں تو نتیجہ بہتر نکلے گا‘‘۔ حکیم الامت بیمار تھے اور تکیہ کا سہارا لے کر یہ ساری گفتگو فرما رہے تھے مگر جب انہوں نے یہ سُنا تو غصے میں آگئے اور اُٹھ کر بیٹھ گئے اور میاں افتخار الدین کو ترت جواب دیا کہ ’’ اچھا تو یہ خیال ہے، آپ مجھے بہلا پھسلا کر مسٹر جناح کے مقابلے پر کھڑا کرنا چاہتے ہیں۔ میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ مسٹر جناح ہی مسلمانوں کے اصل لیڈر ہیں، میں تو اُن کا ایک معمولی سپاہی ہوں‘‘۔

جب کسی کاز سے وابستہ اہلِ علم و ہنر اور سوسائٹی کے مخلص افراد کے اندر اعلیٰ ظرفی، کشادہ دلی اور وسیع النظری نہیں ہوتی تو اس کی قیمت جماعت اور قومیں ادا کرتی ہیں۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم العالیہ نے نہایت خوبصورت الفاظ میں حکیم الامت کو خراج تحسین پیش کیا اور اُن کے مردِ مومن کے فلسفہ کو بیان فرمایا:

’’مرد مومن کا وہ تصور جو ہمیں حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ نے دیا ہے، اُسے کماحقہ ہو سمجھنے کے لئے اُس زاویۂ نگاہ کو دیکھنا ہو گا جسے انہوں نے اختیار کیا اور انتہائی بلیغ انداز میں قرآن مجید کی اصطلاح ’’القوی الامین‘‘ کی ترجمانی کرتے ہوئے اُسے ’’مرد جلیل‘‘ سے موسوم کیا ہے‘‘۔

اگر ہم اس اَمر کی توجیہ کرنا چاہیں کہ وہ تصور مردِ مومن جو اقبالؒ نے پیش کیا، اُسے کوئی اور اس انداز سے کیوں نہیں پیش کر سکا تو اس تجزیے کی تہہ میں تین بنیادی عوامل کارفرما نظر آئیں گے جسے فکر اقبال کے تین بنیادی عناصر سے تعبیر کر سکتے ہیں:

۱۔ اقبال نے اپنے تمام تر تصورات کی عمارت قرآن مجید سے اخذ کردہ مفاہیم پر استوار کی ہے۔

۲۔ اقبال نے اپنی فکر کی آبیاری ارشادات نبوی ﷺ کے چشمے سے کی ہے۔

۳۔ اقبال نے اُن معارف اور لطائف و حقائق کو سیکھنے کے لئے شیخ رومیؒ کے سامنے زانوے تلمذ طے کیا۔ یعنی قرآن و سنت اور اہل اللہ کی عقیدت و محبت نے اقبال کے افکار و فلسفہ کو لافانی بنا دیا۔

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

(چیف ایڈیٹر: ماہنامہ منہاج القرآن)

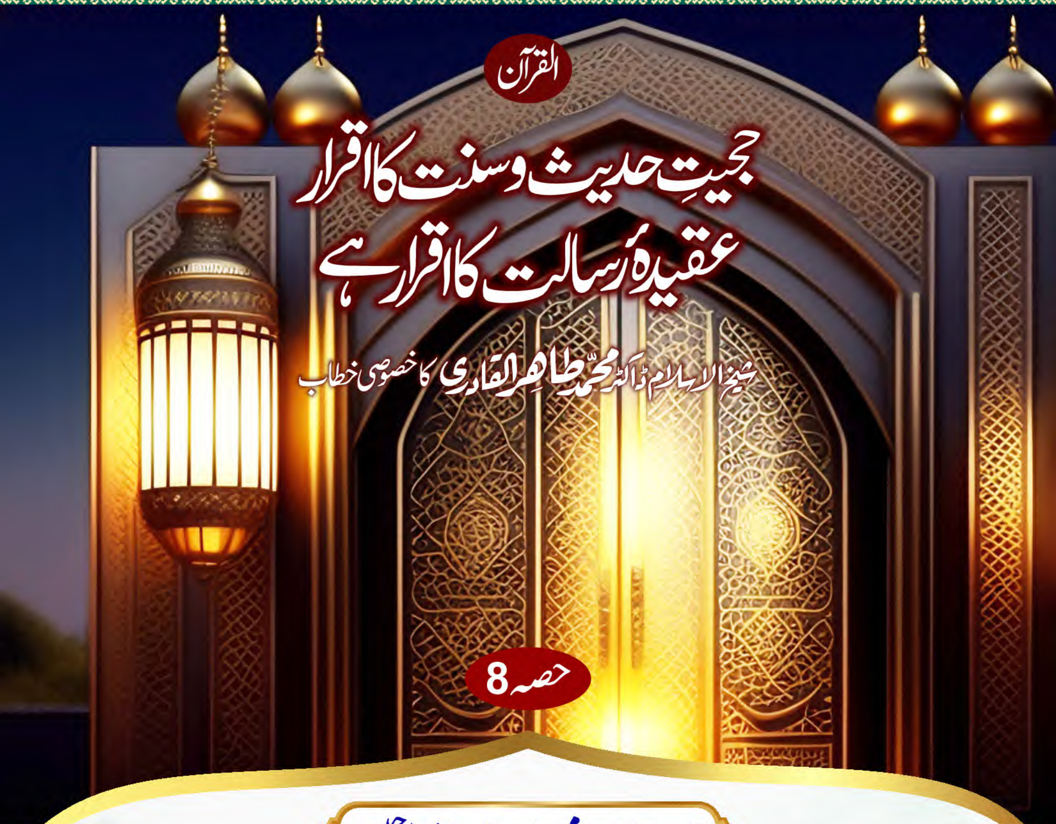

القرآن

حجیتِ حدیث و سنت کا اقرار عقیدۂ رسالت کا اقرار ہے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب

حصہ 8

ترتیب و تدوین: محمد یوسف منہاجین

اللہ رب العزت کی توفیق اور اس کی مدد و نصرت سے اس زیرِ نظر تحریر میں قرآن و سنت کی روشنی میں یہ موضوع زیر بحث ہے کہ کیا یہ عقیدہ رکھنا درست ہے کہ ہمارے لیے صرف قرآن کافی ہے، ہم صرف قرآن کو حجت مانتے ہیں اور سنت و حدیث نبوی کو حجت نہیں مانتے؟ جان لیں کہ ایسا سمجھنا اور ایسا کہنا صریح کفر ہے۔ ایسے عقیدہ کا قرآن مجید اور دینِ اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ دینِ اسلام کے خلاف ایک فکری بغاوت اور ایک ذہنی انحراف ہے۔ بدقسمتی سے اس بغاوت اور انحراف کو قرآن کا ٹائٹل دے دیا گیا کہ ہم تو صرف قرآن ہی کی ہر بات کو حجت تسلیم کرتے ہیں۔ اس مؤقف کے قائلین کا یہ قول خود قرآن مجید کی مخالفت ہے۔ قرآن مجید کی تقریباً ڈیڑھ سو آیات کریمہ میں سنت و حدیثِ نبوی کی حجیت کو صراحتاً بیان کیا گیا ہے۔ پس حجیتِ حدیث و سنت کا انکار ڈیڑھ سو آیاتِ کریمہ کی نفی ہے اور اس طرح یہ نہ صرف قرآن مجید بلکہ دین اسلام کا بھی انکار ہے۔ اس حوالے سے ہم متعدد آیات کا مطالعہ زیرِ نظر مضمون کے سابقہ حصوں میں کر چکے ہیں۔ اس عقیدہ پر مزید آیاتِ قرآنیہ ملاحظہ ہوں:

سنت کی حجیت؛ دراصل عقیدہ رسالت کی حجیت اور اس کے وجوب پر دلالت کر رہی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

(خطاب نمبر: Ci-30)(14 دسمبر 2013ء)(مقام: کینیڈا)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا۔ (النساء، ۴: ۱۸۰)

”اے لوگو! بے شک تمہارے پاس یہ رسول (ﷺ) تمہارے رب کی طرف سے حق کے ساتھ تشریف لایا ہے، سو تم (ان پر) اپنی بہتری کے لیے ایمان لے آؤ اور اگر تم کفر (یعنی ان کی رسالت سے انکار) کرو گے تو (جان لو وہ تم سے بے نیاز ہے کیوں کہ) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے یقینا (وہ سب) اللہ ہی کا ہے اور اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔“

اس آیت میں ہمارے پاس آنے اور حق کی بات کو لانے کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کی گئی ہے کہ وہ ہمارے پاس اللہ کی طرف سے حق کے ساتھ تشریف لائے۔ یہ بات کفار کے زعم، گمان اور رسالت کے انکار پر مبنی ان کے اعتقادی و فکری تصورات کے رد کے ضمن میں ہے۔ اس باب میں کئی مقامات پر قرآن مجید نے ایسا کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ پر ایمان لانے کو کافی قرار دیا ہے اور ایمان باللہ کا ذکر واضح طور پر اس کے ساتھ نہیں کیا۔ گویا ایمان بالرسالت میں ہی ایمان باللہ کو شاملِ تصور کر لیا گیا ہے۔ ہر چند کہ بے شمار مقامات پر ایمان باللہ اور ایمان بالرسول اور اسی طرح اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول کا ذکر اکٹھا آتا ہے یعنی ایمان بالرسول کو ایمان باللہ سے جدا نہیں کیا گیا مگر قرآن مجید میں کئی مقامات ایسے آئے ہیں جہاں کفار کے رد میں صرف ایمان بالرسول کو ذکر کیا گیا اور ایمان باللہ کا الگ سے ذکر نہیں کیا گیا اور ایمان بالرسول کے ذکر کو ہی ایمان باللہ کے لیے بھی کافی سمجھ لیا گیا۔ مذکورہ آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ نہیں فرمایا بلکہ صرف ایمان بالرسول کا ذکر کیا ہے۔

> **قرآنِ مجید میں کئی مقامات پر صرف ایمان بالرسول کا ذکر کیا گیا اور ایمان بالرسول کا ذکر ایمان باللہ قرار پاتا ہے**

قرآن مجید کی وہ آیات جہاں صرف ایمان بالرسول کا ذکر ہے اور ایمان باللہ کا ذکر نہیں ہے، ان آیات میں ایمان باللہ کے ذکر نہ کرنے کا مطلب (معاذ اللہ) یہ نہیں ہے کہ ایمان باللہ کی ضرورت اور حاجت نہیں۔ ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ رب العزت نے کافروں کے زعمِ باطل اور فکر کو رد کرنے کے

لیے یہ اسلوب اختیار کیا ہے۔ اس لیے کہ کفار و مشرکین بھی اللہ کی ہستی کا انکار نہیں کرتے تھے۔ ان کی کتب پڑھ لیں، ان میں باقاعدہ اللہ کے ذکر کے باب موجود ہیں کہ ’’ایک اللہ ہے، وہی پیدا کرنے والا ہے، وہی مالک ہے، سب کچھ اس کے قبضہ قدرت میں ہے، سب کچھ اُس کے علم میں ہے اور ہم نے اُسی کی طرف جانا ہے۔‘‘ توحید کے حوالے سے اُن کے اور ہمارے عقیدہ میں فرق صرف یہ ہے کہ اُن کا تصورِ توحید قرآن مجید کے دیے ہوئے تصورِ توحید کے مطابق نہیں۔ وہ کئی خدا مانتے ہیں اور سب خداؤں کے اوپر ایک سب سے بڑا خدا مانتے ہیں اور اسے رب الارباب کہتے تھے۔ وہ مطلقاً اللہ کی ذات کا انکار نہیں کرتے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ربوبیت اور الوہیت میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے تھے اور اصل خرابی کی جڑ یہی تھی۔ ایسا اس لیے تھا کہ انہوں نے تصورِ توحید حضور نبی اکرم ﷺ سے قبول نہیں کیا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، ربوبیت اور الوہیت کا تصور اپنے ذہنوں کے مطابق گھڑ رکھا تھا۔ واسطۂ رسالت سے اللہ تعالیٰ کا علم اور اس کی معرفت نہ لینے کے سبب ان کے اندر بے شمار خرابیاں، جہالتیں اور گمراہیاں داخل ہوگئی تھیں۔

> جب رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آتے ہیں تو ایمان کے جتنے بھی ارکان ہیں وہ سارے ان کے اندر آجاتے ہیں

گویا عقیدۂ توحید کو بھی اگر درست ہونا تھا تو واسطۂ رسالت سے ہونا تھا اور اس علم کے ذریعے ہونا تھا جو رسول گرامی ﷺ نے انسانیت کو فراہم کیا۔ جب انھوں نے رسالت کا ذریعہ اور واسطہ نہیں مانا، قولِ رسول ﷺ کو حجت نہیں مانا، رسول اللہ ﷺ کی تشریح و تعبیر کو حجت نہیں مانا، رسول ﷺ کی دی ہوئی دعوت کو قبول نہیں کیا تو صاف ظاہر ہے کہ وہ کبھی عقیدۂ توحید بھی صحیح حاصل نہیں کر سکتے تھے۔

قرآن مجید کی وہ آیات جن میں صرف ایمان بالرسول کا ذکر ہے، ان آیات کا مقصود یہ ہے کہ اگر وہ رسول ﷺ پر ایمان لے آتے ہیں تو تمام مسائل حل ہو جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ عقیدہ توحید، آخرت، وحی، کتب اور ہر ایک عقیدہ کا رخ اور تصور صحیح ہو جائے گا۔ اس لیے کہ مرکز و محور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا ہے۔ ایمان بالرسول محض ایک اصطلاح نہیں کہ آپ ﷺ کو رسول مان لیا اور بات ختم، ایسا نہیں ہے، بلکہ یہ ایک مکمل پیکج ہے کہ جو کچھ رسول

اکرم ﷺ سمجھا رہے ہیں، عطا کر رہے ہیں، بیان کر رہے ہیں، ان تمام کو اسی طرح مانا جائے۔ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا مطلب ہے کہ جو کچھ انہوں نے انسانیت اور امت کو دیا، اس سب کو حق مان لیا جائے اور ان کے ہر قول، فعل، دعوت، تعبیر اور تشریح کی حجیت پر ایمان لایا جائے۔

جب رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آتے ہیں تو ایمان کے جتنے ارکان ہیں وہ سارے ان کے اندر آجاتے ہیں۔ اس لیے کہ خود تو کوئی رسول بن ہی نہیں سکتا، اللہ تعالیٰ ہی کسی کو رسول بناتا اور انسانیت میں مبعوث کرتا ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے سے بندہ سیدھا ایمان باللہ پر پہنچ گیا۔ گویا ایمان بالرسول میں ہی ایمان باللہ ہے۔ ارکانِ ایمان میں سے جس ایمان کو جامع اور کامل بنایا گیا اور جسے ایمان باللہ پر بھی کافی قرار دیا گیا وہ ایمان بالرسول ہے۔ جو اس رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لاتے یعنی ان کے ہر قول اور فعل کو حجت نہیں مانتے اور فقط قرآن مجید کو مانتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے اوپر بھی (معاذ اللہ) اپنے آپ کو جج بنالیا۔ یہ لوگ اپنے آپ کو تو حجت بنانا قبول کرتے ہیں لیکن آپ ﷺ کی حجیت کو قبول نہیں کرتے۔ وہ اپنے اس کردار سے تو اللہ تعالیٰ کو بھی رد کر رہے ہیں۔

ایمان بالرسول پر رحمتِ الٰہیہ کے دو حصوں کا عطا ہونا

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (الحدید، ۵۷: ۲۸)

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اُس کے رسولِ (مکرّم ﷺ) پر ایمان لے آؤ، وہ تمہیں اپنی رحمت کے دو حصّے عطا فرمائے گا اور تمہارے لیے نور پیدا فرما دے گا جس میں تم (دنیا اور آخرت میں) چلا کرو گے اور تمہاری مغفرت فرما دے گا، اور اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے“۔

اس آیت میں ڈرنے کا اشارہ اس طرف بھی ہے کہ یہ بات کہنے سے ڈرو کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی ہر بات کو نہیں مانتے۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرو کہ تم کہتے ہو کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید کو مانتے ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کی ہر بات کو حجت نہیں مانتے۔

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کے اجر کو بھی بیان کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کے اجر کے طور پر وہ تمہیں اپنی رحمت کے دو حصّے عطا فرمائے گا۔ سوال یہ ہے کہ محض ایمان

بالرسول پر رحمت کے دو حصے عطا فرمانے کا کیوں کہا گیا؟اس کا جواب یہ ہے کہ رحمت کا ایک حصہ رسول اللہ ﷺ کو ماننے پر بطورِ اجر مل گیا اور چونکہ ایمان بالرسول ایمان باللہ بھی ہے، اس لیے رحمت کا دوسرا حصہ اللہ کو ماننے پر بطورِ اجر مل گیا۔ گویا اشارہ یہ دیا جارہا ہے کہ فقط رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا، ایک حقیقت کو ماننا نہیں بلکہ دونوں حقیقتوں، یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید اور آقا علیہ السلام کی رسالت کو ماننا ہے۔

جن آیات میں فقط ایمان بالرسول کا حکم ہے وہاں ایمان بالرسول کو ہی ایمان باللہ کی ضرورت کے لیے کافی بنا دیا گیا۔ صرف رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا ذکر کرنے کا مطلب رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے حکم، قول، فعل، تقریر، تعبیر، تشریح، تشریع اور تعلیمات کو حجت ماننا ہے۔ ایسی آیات کا پورا مضمون صرف اسی محور پر گھومتا ہے۔

قرآن مجید میں مذکور اوصافِ مصطفی ﷺ سے حجیتِ حدیث و سنت پر دلیل

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔ (الاعراف، ۷: ۱۵۷)

’’(یہ وہ لوگ ہیں) جو اس رسول (ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں جو امی (لقب) نبی ہیں (یعنی دنیا میں کسی شخص سے پڑھے بغیر منجانب اللہ لوگوں کو اخبارِ غیب اور معاش و معاد کے علوم و معارف بتاتے ہیں) جن (کے اوصاف و کمالات) کو وہ لوگ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو انہیں اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع فرماتے ہیں اور ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ان پر پلید چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور اُن سے اُن کے بارِ گراں اور طوقِ (قیود) - جو اُن پر (نافرمانیوں کے باعث مسلّط) تھے - ساقط فرماتے (اور انہیں نعمتِ آزادی سے بہرہ یاب کرتے) ہیں۔‘‘

سوال یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی پیروی کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اس دور کے لوگوں کے لیے تھا یا ہمارے زمانے اور قیامت تک کے لیے ہے؟ اگر ہم نے قرآن مجید کے اس حصے کو صرف اسی زمانے کے لوگوں کے لیے محدود کر دیا تو پھر ہم قرآن مجید کے ہی (معاذ اللہ) منکر ہو گئے۔ پس معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی پیروی کا یہ حکم قیامت تک آنے والے ہر مومن و مسلمان کے لیے ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آقا علیہ السلام کے فضائل اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف کا تذکرہ فرمایا ہے اور اُن امور اور ذمہ داریوں کا ذکر کیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ادا کرتے ہیں۔ ان اوصاف کے تذکرہ کے ذریعے اللہ رب العزت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رسول ہونے کی تشریح کر رہا ہے۔ یہ امر ذہن نشین رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کے معنی و مراد کا تعین ہم اپنے ذہن سے نہیں کریں گے بلکہ اللہ رب العزت نے جو معنی سمجھایا، اس پر ایمان لائیں گے۔ اگر قرآن کو حجت ماننا ہے تو پھر جو تعریف قرآن نے دی، اس کو ماننا ہوگا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اَلَّذِیۡنَ یَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ کے ذیل میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پانچ اوصاف کا ذکر کیا۔ ان اوصاف سے بھی حجیتِ حدیث و سنت صراحتاً ثابت ہو رہی ہے۔ آیئے اس تناظر میں اوصافِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطالعہ کرتے ہیں:

(۱) امر بالمعروف

اس آیت میں پہلا وصفِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بیان ہوا کہ یَاۡمُرُهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وہ رسول انھیں اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں۔ یہاں آقا علیہ السلام کے حکم دینے کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے محدود نہیں کیا کہ وہ صرف قرآن مجید کی آیات کا حکم دیتے ہیں اور اس کے علاوہ جسے وہ اچھی بات سمجھیں، اس کا حکم نہیں دے سکتے۔ یہ قرآن مجید میں کہیں نہیں ہے۔ اگر اسی طرح ہوتا تو پھر اس آیت میں فاعل قرآن مجید کو یا لفظ اللہ کو بنایا جاتا۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فاعل بنایا کہ یہ رسول تمہیں حکم دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتھارٹی کو مطلقاً (absolute) بتایا جارہا ہے کہ قرآن مجید میں یا قرآن مجید کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم، فہم اور بصیرت میں جو جو چیزیں اچھی ہیں، اپنی رسالتی ذمہ داریوں کو ادا کرتے ہوئے یہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سب کا حکم دیتے ہیں۔ پس اس میں سنت و حدیث بھی شامل ہو گئی۔

(۲) نہی عن المنکر

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری خصلت اور ذمہ داری یہ بتائی گئی کہ وَیَنۡهٰهُمۡ عَنِ الۡمُنۡكَرِ کہ وہ بری باتوں سے منع فرماتے ہیں۔ اب اس میں وہ منکرات بھی آگئے جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور وہ بھی آگئے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں نہیں آیا۔ یعنی وہ قرآن مجید کی آیات کی تشریح کرتے ہوئے یا آسمانی اور ربانی حکمت اور نبوی بصیرت کے تحت جس جس چیز کو برا سمجھتے ہیں، اس سے منع کرتے ہیں۔ پس اس میں بھی سنت و حدیث شامل ہو گئی۔

(۳) پاکیزہ چیزوں کو حلال کرنا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تیسرے وصف اور خصلت کی طرف یوں متوجہ کیا کہ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ کہ وہ ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں۔ اگر اس سے مراد صرف ان ہی چیزوں کو حلال قرار دینے

کا عمل تھا اور انہی طیبات کی حلت تھی جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے تو اس کا فاعل اس پورے کلام میں قرآن مجید کو بنایا جاتا، اللہ تعالیٰ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ سے اس کلام کو شروع نہ فرماتا، اسے اتباعِ رسول نہ قرار دیا جاتا بلکہ اسے اطاعتِ الٰہی کے حکم کے تحت بیان کیا جاتا اور مضمون اس طرح ہوتا کہ ''یہ قرآن تمہیں اچھائیوں کا حکم دیتا ہے، یہ قرآن تمہیں برائیوں سے منع کرتا ہے، یہ قرآن پاکیزہ چیزوں کو تمہارے لیے حلال کرتا ہے، یہ کتاب ناپاک چیزوں کو حرام کرتی ہے۔''

ایسا نہیں کہا گیا بلکہ ان تمام امور کی نسبت حضور علیہ السلام کی طرف کی گئی اور ان امور کے حوالے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کے ماننے کو اتباعِ رسول قرار دیا گیا۔ پس ساری چیزیں خواہ قرآن مجید کے ذریعے آقا علیہ السلام نے بیان کیں یا غیر از قرآن یعنی اپنی نبوی اور رسالتی حکمت و بصیرت اور علم کے تحت بیان کیں، وہ سب کچھ اتباعِ رسول کے تحت آ گیا۔ لہٰذا اس آیت میں صراحتاً حجیتِ سنت و فرامین رسول بیان ہو رہی ہے، اس لیے کہ ہر شے کی نسبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے۔

(۴) ناپاک چیزوں کو حرام قرار دینا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چوتھی خصلت کا ذکر یوں کیا کہ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ، وہ ان پر ناپاک چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔ لازمی بات ہے کہ یہاں بھی اُن ناپاک چیزوں کے حرام ہونے کی بات نہیں ہو رہی جنھیں قرآن مجید نے حرام قرار دیا ہے بلکہ واضح کر دیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی جس چیز کو حرام قرار دیں، وہ بھی حرام ہے، اس لیے تم اس حوالے سے بھی ان کی اتباع کرو۔

(۵) بارِ گراں اور طوق سے آزادی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پانچویں وصف کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔

''اور اُن سے اُن کے بارِ گراں اور طوقِ (قیود) - جو اُن پر (نافرمانیوں کے باعث مسلّط) تھے - ساقط فرماتے (اور انہیں نعمتِ آزادی سے بہرہ یاب کرتے) ہیں۔''

صاف ظاہر ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ذریعے احکام میں جو آسانیاں پیدا کیں، وہ بھی اس میں شامل ہے لیکن وہ امور جن کا قرآن مجید میں صریح حکم نہیں آیا تھا، آقا علیہ السلام نے اپنی سنت اور حدیث کے ذریعے ان میں آسانیاں پیدا کیں، ان زنجیروں کو توڑا اور آزادیاں اور سہولتیں دیں، وہ بھی اس کے تحت ہیں۔ چونکہ قرآن مجید بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عطا کر رہے ہیں اور قرآن مجید کے علاوہ حدیث و سنت کی صورت میں جو کچھ دینا اور سمجھانا ہے وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عطا کر رہے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ جو بشکلِ قرآن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرما رہے ہیں اور امت کو دے رہے ہیں، اس حصے کو وحی جلی

اور وحی متلو کہا جاتا ہے اور وہ حصہ جو رسول اکرم ﷺ بطور سنت و حدیث عطا فرما رہے ہیں، اس کو وحی خفی اور وحی غیر متلو کہا جاتا ہے۔

مذکورہ پانچوں چیزوں میں قرآن مجید نے نسبت حضور ﷺ کی طرف کی ہے اور اسے یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ کے تحت بیان کیا ہے۔

آپ ﷺ کے ان پانچ اوصاف کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (الاعراف، ۷: ۱۵۷)

”پس جو لوگ اس (برگزیدہ رسول ﷺ) پر ایمان لائیں گے اور ان کی تعظیم و توقیر کریں گے اور ان (کے دین) کی مدد و نصرت کریں گے اور اس نور (قرآن) کی پیروی کریں گے جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے، وہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں“۔

یعنی جو ان تمام شانوں کے ساتھ اس رسول پر ایمان لائے، رسول ﷺ کے ہر قول، فعل، عمل، سنت، حدیث، ارشاد اور تعلیم کو حجتِ مطلقہ مانتے ہوئے ایمان لائے، رسول کے ہر امر بالمعروف، نہی عن المنکر، حلتِ طیبات اور تحریم الخبائث پر ایمان لائے اور آپ ﷺ نے جو آزادیاں اور سہولتیں دیں، کئی پابندیاں ختم کیں، الغرض آپ ﷺ کے ہر حکم پر ایمان لائے۔ یعنی اس پورے پیکج کے ساتھ ان پر ایمان لائے، اس میں پسند نہیں ہے کہ جو چاہے مان لیا اور جو چاہے چھوڑ دیا، ایسا نہیں ہے۔ پس جو اس رسول پر اس مکمل پیکج کے ساتھ ایمان لایا تو آیت کے آخر میں مذکور فلاح کی خوشخبری نصیب ہو گی۔

معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی حدیث و سنت کو حجت ماننا، دراصل ایمان بالرسالت ہے۔ ایمان بالرسول ہو ہی نہیں سکتا جب تک رسول اکرم ﷺ کی سنت اور حدیث کو اصلاً حجت، واجب، لازم اور اصلِ دین نہ مانا جائے اور اسی طرح حجت نہ مانا جائے جیسے قرآن مجید کو مانتے ہیں۔ پہلے حجت ماننا ہے اور پھر آگے درجے میں تفاوت ہے کہ قرآن مجید کا درجہ پہلا ہے اور پھر حدیث کا درجہ اس کے بعد ہے، مگر اصلِ حجیت میں دونوں برابر ہیں۔

اطاعتِ رسول ﷺ میں اطاعتِ الٰہی بھی شامل ہے

جس طرح اصلِ حجیت میں قرآن مجید اور احادیثِ مبارکہ برابر ہیں، اس طرح اطاعت میں بھی دونوں کا درجہ ایک ہے، اس لیے کہ اللہ رب العزت نے اسے ہر جگہ ایک مرتبہ دیا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی اطاعت کرنے کے حوالے سے ارشاد فرمایا:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ۔

” اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو۔“

(النساء، ۴: ۵۹)

قرآن مجید میں 38 مقامات پر لفظِ اطاعت کے ساتھ خواہ صیغہ کوئی بھی ہو، اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا ذکر آیا ہے۔ ان 38 آیات میں سے 20 آیات ایسی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت دونوں کا ذکر اکٹھا آیا ہے اور 18 آیات ایسی ہیں جن میں صرف رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا ذکر ہے۔ ان آیات میں رسولاللہ ﷺ کی اطاعت کے حکم کے ساتھ اللہ کی اطاعت کا ذکر صراحتاً یا لفظاً نہیں آیا جبکہ اس کے برعکس قرآن مجید میں ایک آیت بھی ایسی نہیں جس میں صراحتاً صرف اطاعتِ الٰہی کا حکم اور ذکر ہو۔ اس موازنہ سے معلوم ہوا کہ تمام 38 مقامات پر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم موجود ہے۔

صرف قرآن مجید ہی کو حجت ماننے والوں نے کیا کبھی قرآن مجید کے اس اسلوب کی طرف بھی توجہ کی ہے کہ قرآن مجید ہمیں حجت کے حوالے سے کیا سمجھاتا ہے اور اس ضمن میں اس کی

تعلیم کیا ہے؟ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ایک دو آیات ہی ایسی آجاتیں جن میں فقط اسی طرح اطاعتِ الٰہی کا حکم دے دیا جاتا جس طرح 18 آیات میں فقط اطاعتِ رسول کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ رب العزت نے یہ طریقہ نہیں اپنایا اور قطعی طور پر یہ دروازہ اس لیے بند کر دیا کہ وہ ذات عالم الغیب ہے، جانتی ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جب لوگوں کے اذہان اور افکار میں یہ فتنہ پیدا ہوگا اور دین گریز لوگ اگرچہ کلمہ پڑھنے والے ہوں گے اور ظاہری طور پر میری اطاعت کا انکار نہیں کریں گے مگر ان کا سارا فتنہ اطاعتِ رسول کی حجیت پر مبنی ہوگا اور وہ رسول کی اطاعت اور اُن کی سنت و حدیث کے حجت ہونے کو ٹھکرائیں گے۔ وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کافی ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا مطلب ہے کہ قرآن کا حجت ہونا کافی ہے اور وہ آپ ﷺ کے ہر فرمان اور ہر قول کے حجت ہونے کا انکار کریں گے۔ لہٰذا اگر ایک آیت بھی ایسی وارد ہو جاتی جس میں صرف اطاعتِ الٰہی کا حکم ہوتا اور اس میں ظاہراً و لفظاً اطاعتِ رسول کا ذکر نہ ہوتا تو یہ لوگ اسی ایک آیت کو بطورِ دلیل بیان کرتے اور باقی 37 آیات کو بھول جاتے۔ وہ ایک ہی آیت کو لیتے اور ان کے اعتراض کے لیے یہی کافی ہوتا کہ وہ کہتے کہ ”دیکھیں یہاں قرآن نے فقط اطاعتِ الٰہی کا حکم دیا ہے اور اطاعتِ رسول کا ذکر نہیں کیا، لہٰذا ہم اس آیت پر عمل کرتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے اس اسلوب سے واضح فرما دیا کہ تم جو عمل کرنے کا ارادہ رکھتے ہو، میں اسے مکمل ہی نہیں ہونے دوں گا۔ اطاعتِ رسول کے حوالے سے یہ حکم بالکل اسی طرح ہے جیسے اگر ایمان بالرسول کاملاً ہو گیا تو ایمان باللہ اس کے اندر آگیا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے بغیر رسول کو رسول مانا ہی نہیں جا سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ مبعوث نہ کرے تو رسول کوئی از خود نہیں بن سکتا۔ اگر اطاعتِ رسول کو حجت مان لیا اور رسول کی اطاعت کر لی تو اس میں از خود اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہو گئی، چونکہ رسول کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو شامل ہے۔ رسول کی اطاعت اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہی ہو رہی ہے، اسے منصبِ رسالت پر فائز کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے اور اس کی اطاعت کا حکم دینے والا بھی اللہ ہے۔ پس جب رسول ﷺ کی اطاعت ہو گی تو یہ اطاعتِ الٰہی کو بھی شامل ہو گئی۔ مگر خالی اطاعتِ الٰہی، اطاعتِ رسول ﷺ کو شامل نہیں ہوتی، اس میں رسول ﷺ کی اطاعت کے حجت ہونے کے انکار کا راستہ نکل سکتا تھا، پس اللہ تعالیٰ نے اس فتنے کا دروازہ بند کر دیا۔

(جاری ہے)

آپ کے فقہی مسائل

کیا دوزخیوں کی سزا کبھی ختم ہوگی؟

دارالافتاء تحریک منہاج القرآن، زیرِ نگرانی: مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی

سوال: کیا دوزخ کبھی فنا ہوگی اور دوزخیوں کی سزا کبھی ختم ہوگی؟

جواب: عقیدۂ اہل سنت کے مطابق جہنم کبھی فنا نہیں ہو گی، صرف توحید پرست گناہگار لوگ اپنی سزا پوری ہونے کے بعد حکمِ الٰہی سے جنت میں داخل ہوں گے جبکہ کفار و مشرکین اور ملحدین ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور وہ کبھی اس سے نکل نہیں پائیں گے۔ اس حوالے سے بہت سی آیات ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ان کا ٹھکانہ ہمیشہ کے لیے جہنم ہی ہو گا، چند آیات ملاحظہ ہوں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ ظَلَمُوۡا لَمۡ یَکُنِ اللّٰهُ لِیَغۡفِرَ لَهُمۡ وَلَا لِیَهۡدِیَهُمۡ طَرِیۡقًا۔ اِلَّا طَرِیۡقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا ؕ وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیۡرًا۔ (النساء، ۴: ۱۶۸، ۱۶۹)

’’بے شک جنہوں نے (اللہ کی گواہی کو نہ مان کر) کفر کیا اور (رسول کی شان کو نہ مان کر) ظلم کیا، اللہ ہرگز (ایسا) نہیں کہ انہیں بخش دے اور نہ (ایسا ہے کہ آخرت میں) انہیں کوئی راستہ دکھائے۔ سوائے جہنم کے راستے کے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اور یہ کام اللہ پر آسان ہے۔‘‘

اس آیت مبارکہ میں بڑی صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ کفار کی بخشش نہیں ہے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا۔ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا۔ (الاحزاب، ۳۳: ۶۴، ۶۵)

”بے شک اللہ نے کافروں پر لعنت فرمائی ہے اور اُن کے لئے (دوزخ کی) بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔ جِس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ نہ وہ کوئی حمایتی پائیں گے اور نہ مددگار۔“

مذکورہ آیت مبارکہ میں بھی یہی بیان ہے کہ کفار جہنم سے نکل نہیں پائیں گے اور وہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ اگلی آیت مبارکہ بھی کفار کے ابدی طور پر جہنم میں رہنے پر دلالت ہے:

قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا۔ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا۔ (الجن، ۷۲: ۲۲، ۲۳)

”آپ فرما دیں کہ نہ مجھے ہرگز کوئی اللہ کے (اَمر کے خلاف) عذاب سے پناہ دے سکتا ہے اور نہ ہی میں قطعاً اُس کے سوا کوئی جائے پناہ پاتا ہوں۔ مگر اللہ کی جانب سے اَحکامات اور اُس کے پیغامات کا پہنچانا (میری ذِمہ داری ہے)، اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرے تو بے شک اُس کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔“

ان آیات مبارکہ سے یہی ثابت ہے کہ کفار کے لیے کسی صورت بھی جہنم سے چھوٹ نہیں ہے بلکہ ان کے لیے ابدی ٹھکانہ جہنم ہی ہے کیونکہ بعد از قیامت موت کو ذبح کر دیا جائے گا، اس لیے جنت و جہنم میں حیات، حیاتِ ابدی ہوگی جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قیامت کے دن موت کو سرمئی مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا، (ابو کریب نے اضافہ کیا) اس کو جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا کیا جائے گا، (اس کے بعد راویوں کا اتفاق ہے) پھر کہا جائے گا:

يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ هَلْ تَعْرِفُونَ هَذَا؟ فَيَشْرَئِبُّونَ وَيَنْظُرُونَ وَيَقُولُونَ: نَعَمْ، هَذَا الْمَوْتُ، قَالَ: وَيُقَالُ: يَا أَهْلَ النَّارِ هَلْ تَعْرِفُونَ هَذَا؟ قَالَ فَيَشْرَئِبُّونَ وَيَنْظُرُونَ وَيَقُولُونَ: نَعَمْ، هَذَا الْمَوْتُ، قَالَ فَيُؤْمَرُ بِهِ فَيُذْبَحُ، قَالَ: ثُمَّ يُقَالُ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ خُلُودٌ فَلَا مَوْتَ، وَيَا أَهْلَ النَّارِ خُلُودٌ فَلَا مَوْتَ قَالَ: ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: {وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ} [مريم: ۳۹] وَأَشَارَ بِيَدِهِ إِلَى.

”اے اہل جنت کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ وہ گردن اٹھا کر اسے دیکھیں گے اور کہیں گے: ہاں یہ موت ہے۔ کہا جائے گا اے اہل دوزخ! کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ وہ گردن اٹھا کر اسے دیکھیں گے اور

کہیں گے: ہاں یہ موت ہے۔ پھر اس کو ذبح کرنے کا حکم ہوگا اور اس کو ذبح کر دیا جائے گا۔ پھر کہا جائے گا کہ اے اہل جنت! اب دوام ہے اور موت نہیں ہے اور اے اہل دوزخ! اب ہیشگی ہے اور موت نہیں ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی (ترجمہ:) 'اور آپ انہیں حسرت (و ندامت) کے دن سے ڈرایئے جب (ہر) بات کا فیصلہ کر دیا جائے گا، مگر وہ غفلت (کی حالت) میں پڑے ہیں اور ایمان لاتے ہی نہیں۔' اور آپ نے اپنے ہاتھ مبارک سے دنیا کی طرف اشارہ کیا۔" (البخاري، الصحیح، کتاب التفسیر، باب (وأنذرھم یوم الحسرۃ)، ۴: ۱۷۶۰، الرقم: ۴۴۵۳)

اس حدیث مبارک سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ جنت ودوزخ کو فنا نہیں ہے، یہ رہیں گی۔ اس کا مطلب ہے کہ جب یہ دونوں دائمی ہیں تو ان میں رہنے والے بھی دائمی طور پر ان میں رہیں گے، لہٰذا دوزخ کا فنا نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں کوئی نہ کوئی موجود بھی رہے گا یعنی کفار ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ یہی عقیدہ اہل سنت ہے جیسا کہ اہل السنہ کی کتب میں لکھا ہے:

وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ خُلِقَتَا لِلْبَقَاءِ لَا لِلْفَنَاءِ.

"جنت اور دوزخ کی تخلیق باقی رہنے کے لیے کی گئی ہے، ان کے لیے فنا نہیں ہے۔" (طحاوي، شرح العقیدۃ الطحاویۃ، ۱: ۴۸۰)

منصور طبری فرماتے ہیں:

وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَهُمَا مَخْلُوقَتَانِ مَوْجُودَتَانِ بَاقِيَتَانِ لَا يَفْنَيَانِ أَبَدًا.

"اور جنت حق ہے اور دوخ حق ہے اور وہ دونوں پیدا کی ہوئی ہیں وہ دونوں موجود ہیں۔ (جنت اور دوخ) دونوں باقی ہیں۔ دونوں کبھی فنا نہیں ہوں گی۔" (ابن منصور، شرح أصول اعتقاد أھل السنۃ والجماعۃ، ۱: ۱۹۷)

ان عبارات کے مطابق دوزخ بھی ابدی ہے اور اس کے فنا ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

اس موقع پر اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ کہا جاتا ہے کہ احادیث مبارکہ کے مطابق قیامت کے دن کے کافی طویل عرصہ کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت اُسکے غضب پر غالب آجائے گی اور اہلِ دوزخ اپنی سزا کی مدت پوری ہونے کے بعد بالآخر دوزخ سے نکال لیے جائیں گے اور دوزخ بجھا دی جائے گی۔ اگر دوزخ مستقل ٹھکانہ ہے تو اہل دوزخ بھی تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، کیا ان کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا باب ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گا یا بند ہی رہے گا؟

یاد رکھیں کہ احادیثِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اس کے غضب پر غالب آنے کا ذکر موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے غلبہ کے حوالے سے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَمَّا خَلَقَ اللهُ الْخَلْقَ كَتَبَ فِي كِتَابِهِ وَهُوَ يَكْتُبُ عَلَى نَفْسِهِ وَهُوَ وَضْعٌ عِنْدَهُ عَلَى الْعَرْشِ إِنَّ رَحْمَتِي تَغْلِبُ غَضَبِي.

’’جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اس نے اپنی کتاب میں لکھا اور وہ اپنی ذات کے متعلق لکھتا ہے جو اُس کے پاس عرش پر رکھی ہوئی ہے کہ میرے غضب پر میری رحمت غالب ہے۔‘‘

(مسلم، الصحیح، کتاب التوبۃ، باب في سعۃ رحمۃ اللہ تعالی وأنّھا سبقت غضبہ، ۴: ۲۱۰۷، الرقم: ۲۷۵۱)

اس طرح کی احادیث سے کفار کو جہنم سے نکالنے کا کوئی جواز نہیں ملتا۔ ویسے بھی آیاتِ مقدسہ میں بڑی صراحت کے ساتھ حکم الٰہی موجود ہے کہ کفار کا دائمی ٹھکانا جہنم ہی ہے اور ان کے لیے چھٹکارے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔ جب انہوں نے اللہ کے احکام کو ٹھکرادیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے بھی آخرت میں اپنی رحمت کے دروازے ان پر بند کردیئے ہیں۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غضب پر اس کی رحمت غالب ہے، اسی لیے تو وہ شرک کرنے اور نافرمانیاں اور گناہ کرنے کے باوجود بھی انسان کو زندگی کی ہر سہولت مہیا کرتا ہے، ورنہ بڑے بڑے جرائم پیشہ اسی وقت اللہ کی پکڑ میں آجائیں اور انہیں مزید مہلت ہی نہ ملے۔ یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت کے غلبہ کا ہی نتیجہ ہے کہ منکرِ الٰہی بھی اس کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ کفار کے لیے جہنم میں ہیشگی ہوگی، ان کے لیے کسی صورت بھی جہنم سے چھٹکارا نہیں ہوگا، وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں ہی رہیں گے، ان کے لیے جہنم سے نکل کر جنت میں جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ صرف اہلِ ایمان گناہگار ہی اپنی سزا پوری ہونے کے بعد جہنم سے جنت میں جائیں گے جبکہ کفار کا مستقل ٹھکانہ جہنم ہی ہوگا، وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے کیونکہ آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالی نے عذاب دینے کی کوئی قید نہیں لگائی اور نہ ہی ’آبدًا‘ کی کوئی حد بیان کی ہے۔

سوال: نماز میں یکسوئی حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: نماز میں داخل ہوتے ہی نمازی کے دل و دماغ میں ایسے وسوسے اور خیالات آنے لگتے ہیں کہ نماز میں یکسوئی نصیب نہیں ہوتی۔ امام غزالیؒ نے نماز میں شیطانی خیالات، وسوسوں سے بچنے اور خشوع و خضوع برقرار رکھنے کے لیے درج ذیل تدابیر بیان فرمائی ہیں:

۱۔ انسان جب اذان کی آواز سنے تو دل میں تصور کرے کہ مجھے میرے خالق و مالک اور غفور و رحیم کی بارگاہ سے حاضری کا بلاوا آیا ہے۔ اب میں ہر کام پر اس حاضری کو ترجیح دیتا ہوں لہٰذا جس کام میں بھی مشغول ہو، اسے چھوڑ کر نماز کی تیاری کرے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلۡهِيۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيۡتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوۡنَ يَوۡمًا تَتَقَلَّبُ فِيۡهِ الۡقُلُوۡبُ وَالۡاَبۡصَارُ۔ (النور، ۲۴: ۳۷)

"(اللہ کے اس نور کے حامل) وہی مردانِ (خدا) ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت نہ اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہے اور نہ نماز قائم کرنے سے اور نہ زکوٰۃ ادا کرنے سے (بلکہ دنیوی فرائض کی ادائیگی کے دوران بھی) وہ (ہمہ وقت) اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں (خوف کے باعث) دل اور آنکھیں (سب) الٹ پلٹ ہو جائیں گی۔"

۲۔ نماز میں یکسوئی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مؤذن کی صدا سننے کے بعد نمازی کا دل بار بار اپنے مالک کی حاضری کی طرف متوجہ ہو اور خوش ہو کہ مالک نے یاد فرمایا ہے اور میں اس کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنی تمام روداد عرض کروں گا۔۔۔ اپنے گناہوں کی معافی مانگوں گا۔۔۔ شوق و محبت سے قیام، رکوع اور سجود کے ذریعے دلی راحت اور سکون حاصل کروں گا اور اپنے تمام غموں اور صدماتِ ہجر و فراق کا ازالہ کروں گا۔۔۔ میں محبوبِ حقیقی کی حاضری کے لیے طہارت کرتا ہوں، اچھے کپڑے پہنتا ہوں اور خوشبو لگا کر حاضر ہوتا ہوں کیونکہ میرے مالک کا حکم ہے:

يٰبَنِيۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِيۡنَتَكُمۡ عِنۡدَ كُلِّ مَسۡجِدٍ۔

"اے اولادِ آدم! تم ہر نماز کے وقت اپنا لباسِ زینت (پہن) لیا کرو۔" (الاعراف، ۷: ۳۱)

پس بندے کو چاہئے کہ بارگاہِ الٰہی کی عظمت کا بار بار تصور کرتے ہوئے سوچے کہ اتنی بڑی بارگاہ میں کیسے حاضری دوں گا۔

۳۔ نماز میں یکسوئی حاصل کرنے کے لیے مکمل نماز کے معانی ذہن نشین کر لیے جائیں اور اس کا مفہوم لفظاً لفظاً ازبر کر لیا جائے۔ مثلاً لفظ سُبۡحَانَكَ اللّٰهُمَّ زبان سے ادا ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کی بڑائی، پاکیزگی اور تقدس کا تصور دل و دماغ میں گھر کر جائے اور نمازی پر یہ خیال حاوی ہو جائے کہ وہ سب سے بڑے بادشاہ کے دربار میں دست بستہ حاضر ہے جو ہر عیب اور نقص سے پاک ہے۔ وَبِحَمۡدِكَ سے اس کی حمد و ثنا کی طرف نگاہ جائے کہ وہی ذات ساری تعریفوں کے لائق ہے۔ علی ھذا القیاس ساری نماز کے ایک ایک لفظ پر نمازی کو آگاہی ہو تو نماز میں یکسوئی نصیب ہوتی ہے۔

۴۔ نمازی نماز میں یہ تصور کرے کہ یہ میری زندگی کی آخری نماز ہے، شاید اس کے بعد زندگی مہلت نہ دے۔ بس یہ سوچ نمازی کو باقی چیزوں سے ان شاءاللہ اجنبی و بیگانہ کر کے اپنے رب کریم کی طرف متوجہ کر دے گی۔

محبت و عشقِ الٰہی کی علامات و کیفیات

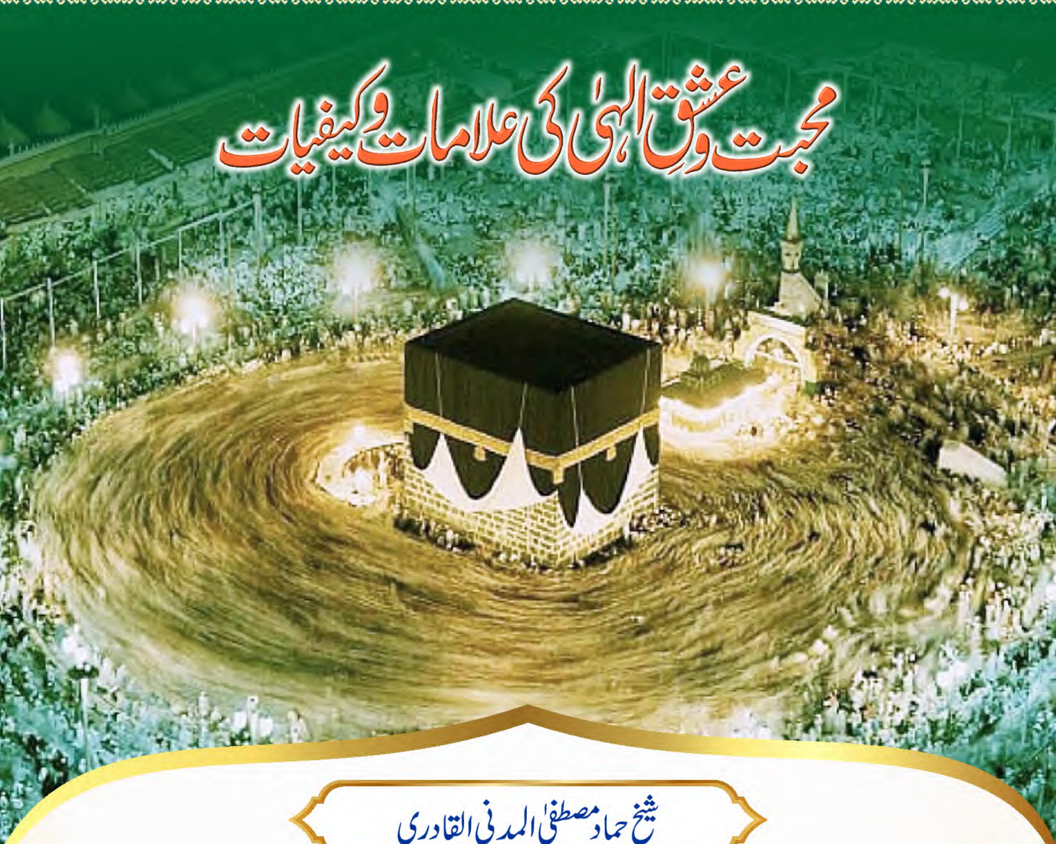

شیخ حماد مصطفیٰ المدنی القادری

وہ لوگ جنھیں اللہ رب العزت کی محبت و عشق کی نعمت نصیب ہو جاتی ہے، ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ دنیا کی پر آسائش زندگی اور آرام کو قربان کر دیتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اہلِ بیت اطہار علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمھم اللہ کی زندگیاں اس امر پر شاہد ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اُن کے ظاہر و باطن میں سرایت کر چکی تھی۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز آقا علیہ السلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ موجود تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوجوان صحابی سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو دور سے آتا دیکھا۔ انھوں نے ایک مینڈھے کی کھال پہن رکھی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اس حال میں آتے دیکھا تو فرمایا:

انظروا الی هذا الرجل الذی نور الله قلبه۔

اس نوجوان کو دیکھو کہ اللہ رب العزت نے اس کے دل کو منور کر دیا ہے۔ میں نے اس نوجوان صحابی کو اپنے والدین کی آغوش میں اس حال میں دیکھا کہ وہ اسے بہترین کھانا کھلاتے اور بہترین مشروبات دیتے مگر اب اس کا حال دیکھ لیں۔ ایک روز میں نے انھیں دو سو درہم کی قمیص پہنی ہوئی تھی مگر اب یہ اس حال میں ہے کہ فقر و فاقہ اور تنگی کے آثار نظر آرہے ہیں۔

> سیدنا صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں
> جو شخص خالص محبتِ الٰہی کا
> مزہ چکھ لیتا ہے وہ
> اس دنیا سے بے گانہ اور بے
> رغبت ہو جاتا ہے

آقا علیہ السلام نے جب یہ بیان کیا تو یقینا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں یہ سوال پیدا ہوا ہوگا کہ یہ نوجوان صحابی جب اپنے والدین کی آغوش میں سہولت اور آسانی کی زندگی بسر کررہے تھے تو اب ان کی یہ حالت کیسے ہوئی ہے؟ آقا علیہ السلام صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں میں آنے والے سوال کو جان گئے اور فرمایا:

فدعاه حب الله وحب رسوله انی ماترون۔

اللہ اور اس کے رسول کی محبت و عشق نے ان کا یہ حال کردیا ہے کہ آج یہ فقر و فاقہ اور سختی و تنگی والی زندگی کو عیش و عشرت اور سہولت والی زندگی پر ترجیح دے رہے ہیں۔ جب بندہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کو دنیا کی ہر شے پر ترجیح دیتا ہے تو تب جاکر اُسے رضائے الٰہی نصیب ہوتی ہے اور وہ مشاہدۂ حق سے مستنیر ہوتا ہے۔

☆ امام غزالی رضی اللہ عنہ احیاء علوم الدین میں بیان فرماتے ہیں کہ ایک روز سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ایک پہاڑ کی طرف سفر کررہے تھے کہ ایک گروہ سے ان کی ملاقات ہوئی ہے۔ آپ نے ان لوگوں کو دیکھا کہ ان کے رنگ زرد ہوچکے ہیں، وہ نحیف اور لاغر ہیں اور فقر و فاقہ کے آثار ان پر نمایاں ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان سے پوچھتے ہیں کہ تمھاری یہ حالت کیسے ہوئی؟ وہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ رب العزت کی دوزخ کے ڈر اور خوف نے یہ حال کردیا ہے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بے شک جس چیز سے تم ڈرتے ہو، اللہ رب العزت تمہیں اس سے حفاظت عطا فرمائے گا۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام یہ فرماکر آگے روانہ ہوجاتے ہیں۔ پھر ایک اور گروہ سے ان کی ملاقات ہوتی ہے۔ اس گروہ کی حالت ایسی ہے کہ وہ پہلے والے گروہ سے بھی زیادہ لاغر و کمزور ہیں۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ان سے بھی پوچھتے ہیں کہ تمھاری یہ حالت کیسے ہوئی؟ وہ کہتے ہیں کہ جنت کی آرزو نے ہمارا یہ حال کردیا ہے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر تم اللہ رب العزت کی جنت طلب کرتے ہو تو بیشک اللہ رب العزت یہ جنت تمہیں عطا فرمائے گا۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی اس سفر کے دوران ایک اور گروہ سے ملاقات ہوتی ہے جن کی حالتِ جسمانی پہلے والے دونوں گروہوں سے بھی زیادہ نحیف و کمزور ہے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ان سے بھی وہی سوال

پوچھتے ہیں کہ تمھارا حال کیسے ہوا؟ وہ عرض کرتے ہیں:

الحب للہ والشوق الیہ۔

اللہ رب العزت کی محبت اور اس کے شوقِ دیدار نے ہمارا یہ حال کر دیا ہے۔ جو لوگ اس راہِ محبت و شوق اور راہِ عشق پر گامزن ہوتے ہیں اور اس راہ کے مسافر بنتے ہیں تو انہیں ان مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے کہ کچھ حاصل کرنے کے لیے کچھ تو کھونا پڑتا ہے۔ ہماری حالت یہ ہے کہ ہم یہ احوال، کیفیات اور مقامات بھی چاہتے ہیں مگر ان احوال اور کیفیات کو حاصل کرنے کے لیے جو قربانیاں درکار ہیں، وہ قربانیاں دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

محبتِ الٰہی کی علامات

سیدنا ابو سعد نیشاپوری، تہذیب الاسرار میں بیان کرتے ہیں کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

من ذاق من خالص حب اللہ تعالیٰ شغلہ ان طلب الدنیا و ذالك۔

جو شخص خالص محبتِ الٰہی کا مزہ چکھ لیتا ہے، وہ اس دنیا سے بیگانہ اور بے رغبت ہو جاتا ہے۔ وہ اس دنیا سے دور ہو جاتا ہے اور اس میں اس دنیا کی تمنا، آرزو اور خواہشات ختم ہو جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ اور ہمارے درمیان کئی پردے اور رکاوٹیں حائل ہیں۔ ان رکاوٹوں میں جاہ و منصب کی طلب، اقتدار کا نشہ، نفس کی خواہشات اور دل کے امراض شامل ہیں۔ اللہ رب العزت کا وصال، قربت، اس تک رسائی اور اس کے مشاہدہ و دیدار کی لذت کا راز ان پردوں کو ہٹانے سے ہی نصیب ہوتا ہے۔

☆ امام الرفاعی ''حالۃ اھل الحقیقہ مع اللہ'' میں بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ

بای شیئ وجدت الخلۃ؟

آپ نے اللہ رب العزت کی دوستی اور قربت کا مقام کیسے حاصل کیا؟ سیدنا ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

انقطاع الی ربی واختیاری ایاہ علی ماسواہ۔

میں نے یہ حال ایسے حاصل کیا کہ میں ہر شخص سے کٹ کر اس کی طرف راغب ہو چکا ہوں۔۔۔ ہر کسی سے دور ہو کر اس کی طرف میں نے سفر کیا ہے۔۔۔ ہر غیر کے مقابلے میں فقط اللہ کو اختیار کیا ہے۔۔۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے میری اور کوئی تمنا، خواہش اور آرزو نہیں ہے۔

اگر ہم اپنے حال پر نگاہ دوڑائیں تو کیا ہم اس چیز کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔۔۔؟ کیا ہم یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہم جو ذمہ داریاں نبھا رہے ہیں، خالصتاً لوجہ اللہ ہیں۔۔۔؟ کیا ان کا مقصود اللہ رب العزت اور حضور

نبی اکرم ﷺ کی رضا اور خوشنودی ہے۔۔۔؟ اگر ایسا نہیں ہے تو ہم میں سے ہر ایک کو اپنی نیت اور اعمال کی اصلاح کی طرف متوجہ ہونا ہے اور یہی حالت و کیفیت اور وارفتگی و شوق اپنا اندر پیدا کرنا ہے۔

☆ ابن الملقن الانصاری حدائق الاولیاء میں بیان کرتے ہیں کہ سیدنا سری سقطی رضی اللہ عنہ نے اپنی ذاتی خدمت کے لیے ایک کنیز خریدی۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس خاتون نے اپنے لیے ایک جگہ مقرر کی جہاں وہ اللہ رب العزت کی عبادت کیا کرتی۔ ایک روز میں نے چاہا کہ میں اس کے قریب جاکر یہ تو معلوم کروں کہ جب وہ تنہائی میں اپنے رب کے سامنے پیش ہوتی ہے تو اپنے رب سے کیا کیا مناجات کرتی اور کس طرح کلام کرتی ہے؟ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اسے یہ کہتے ہوئے سنا کہ:

یارب! حبك لی ان فعلت کذا و کذا۔

باری تعالی! تجھے اس محبت کا واسطہ جو تجھے مجھ سے ہے، میرا فلاں فلاں کام کر دے۔ حضرت سری سقطی فرماتے ہیں کہ میں آگے بڑھا اور کہا کہ اے خاتون! کیا یہ کہنا مناسب نہیں ہے کہ تو یہ کہہ کہ لی حبی ایاك، کہ مجھے جو محبت تجھ سے ہے، اس کا واسطہ کہ میرا فلاں کام کر دے۔

اس خاتون نے یہ سن کر جواب دیا کہ:

یا سیدی لولا حبه ایای ما اقعدك واقامنی۔

اگر اس کی مجھ سے محبت نہ ہوتی تو مجھے اپنی عبادت کے لیے رات بھر کھڑا نہ کرتا۔ اگر اس کی مجھ سے محبت نہ ہوتی تو مجھے گوشہ تنہائی میں اس طرح اپنا ذکر کرنے کا اذن نہ دیتا۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری اس حوالے سے فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت کی اپنے بندے سے محبت، عشق، طلب اور آرزو مقدم ہے اور بندوں کی اللہ کے ساتھ محبت مؤخر ہے۔ پہلے اللہ اپنے بندے سے محبت فرماتا ہے، جب وہ اپنے بندے کے دل میں جھانک کر دیکھتا ہے کہ اس کے دل میں طہارت و پاکیزگی ہے اور ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی ہے، تب وہ اس بندے سے محبت کرنے لگتا ہے۔ پس جب تک دل سے تمام تر خواہشات کو مٹا نہیں دیتے، اس وقت تک دل میں اللہ رب العزت کا جلوہ نہیں ہوتا اور جب اللہ رب العزت دیکھتا ہے کہ میرے بندے کے دل میں میرے سوا کوئی اور خواہش، تمنا اور جستجو نہیں ہے تو وہ اس کے دل میں جلوہ گر ہو جاتا ہے۔

محبین و عشاق الٰہی کی کیفیات

امام الرفاعی حالۃ اھل الحقیقہ مع اللہ میں بیان کرتے ہیں کہ ایک جوان حرم کعبہ میں مصروفِ طواف تھا۔ اس پر بھوک اور مصائب کے آثار نمایاں تھے۔ اس کے فقر و فاقہ کی کیفیت دیکھ کر میں

نے چاہا کہ اس کی کوئی میں مدد کردوں۔ میری جیب میں اس وقت سو دینار تھے۔ میں اس کے قریب گیا اور اسے سو دینار دینے کی کوشش کی۔ اس نے میری طرف توجہ ہی نہیں کی۔ اس لیے کہ جو سچے عشاق ہوتے ہیں، وہ دنیا اور اہلِ دنیا سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ انہیں دنیا اور اہل دنیا سے کوئی غرض اور تمنا نہیں ہوتی۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے دوبارہ کوشش کی اور کہا کہ اے جوان اس رقم سے اپنی ضرورت پوری کرلینا، اسے قبول کرلے۔ یہ سن کر اس جوان نے میری طرف دیکھا اور کہا:

یا شیخ! ھذہ حالة لا ابیعھا بالجنة وما فیھا فکیف ابیعھا ثمن بخسٍ۔

اے شیخ میں اس حال کو جنت اور جو کچھ جنت میں ہے، آبِ تسنیم، شراب طہورہ اور محلاتِ جنت کے عوض بھی نہ بیچوں، تو ان چند ٹکوں کے عوض کیسے بیچ دوں؟

کیا ہم یہ دعویٰ کرسکتے ہیں کہ ہم جو ذمہ داریاں انجام دے رہے ہیں وہ صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کیلئے ہیں؟

ہمارا حال یہ ہے کہ ہم چند ٹکوں اور معمولی مفادات کے عوض آخرت اور دین وایمان تک کو بیچ ڈالتے ہیں۔ عشاق اور محبین کے کئی احوال، کیفیات اور مقامات ہوتے ہیں، ان کا زاویہ نگاہ، طرزِ سوچ، اندازِ بیاں اور طرزِ عمل بھی مختلف ہوتا ہے۔ حتی کہ اللہ رب العزت کے ساتھ ان کے تعلق کی کیفیت بھی مختلف ہوتی ہے۔

سیدنا داتا گنج بخش علی ہجویری رضی اللہ عنہ کشف المحجوب میں بیان کرتے ہیں کہ ایک روز اللہ رب العزت کی بارگاہ سے اپنے ایک نبی کو حکم دیتا ہے کہ فلاں پہاڑ پر ایک عاشق رہتا ہے، اس سے جاکر ملاقات کریں اور میرا پیغام دیں۔ برگزیدہ نبی حکم کی تعمیل میں اس عاشق سے ملتے ہیں۔ یہ عاشق عمر رسیدہ تھا اور اس نے ستر سال گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر اپنے رب کی عبادت و ذکر کیا تھا۔ اللہ کے نبی نے انھیں اللہ کا پیغام دیا کہ اللہ نے ستر سال کی اس کی عبادت کو ٹھکرادیا ہے اور قبول نہیں کیا۔ یہ پیغام سن کر وہ عمر رسیدہ بزرگ اور عاشق وجد میں آجاتا ہے اور اس پر ایک کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ اللہ کے نبی تعجب کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آپ نے ستر سال اپنے رب کی عبادت کی مگر اسی رب نے آپ کی عبادت کو ٹھکرادیا ہے، آپ رنجیدہ ہونے کے بجائے وجد میں آگئے ہیں۔ اس نے کہا: اے برگزیدہ نبی! عبادت قبول کرے یا نہ کرے، یہ اس کا کام

ہے، میرا کام فقط یہ ہے کہ اس کی عبادت اور ذکر کروں۔ وجد میں اس لیے آیا کہ اس کے دھیان، توجہ اور شمار میں تو ہوں۔

محبت اور عشق میں یکسوئی لازمی ہے۔ ضروری امر ہے کہ ہم اس دعویٰ محبت و عشق کو خالص اور سچا کرلیں۔ جب عشق و محبت کی کیفیات خالص و سچی ہو جاتی ہیں تو پھر انسان کو انجام سے غرض نہیں ہوتی۔ جب محبت خالص ہو جاتی ہے تو وہ نوازے یا نہ نوازے، کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ہم تو سجدے تیری چوکھٹ پہ کیے جاتے ہیں۔ افسوس کہ ہمارا اس سے تعلق اتنا کمزور و نحیف اور حساس ہے کہ اگر اس دنیا میں ہمیں کوئی نعمت ملتی ہے تو ہم خوش ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی چیز چھن جاتی ہے تو ہم شکوہ و شکایت اور ناشکری کرنے لگ جاتے ہیں۔ جبکہ حقیقی عشاق اور محبین جن کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق خالص ہوتا ہے، وہ یہ نہیں دیکھتے کہ اللہ رب العزت نے اس دنیا میں کیا دیا ہے اور کیا نہ دیا۔ انھیں دنیا کی آسودہ زندگی، دولت و اقتدار اور شہرت و ناموری سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ ان کا اللہ تعالیٰ سے تعلق اس بنیاد پر قائم نہیں ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت انھیں کیا عطا کر رہا ہے اور کیا نہیں دے رہا بلکہ ان کے تعلق کی بنیاد فقط اس کی رضا اور خوشنودی ہوتا ہے۔ ہم نے اسی امر کو اپنی زندگیوں میں منتقل کرنا ہے۔ ہماری زندگی اسی حال کی عکاس ہو تب جا کر ہم اس کے دیدار کے قابل ہو سکیں گے۔

مشاہدہ و دیدارِ الٰہی

اللہ کے حقیقی عشاق وہ ہیں کہ جن کی محبت خالص ہو اور جن کا کل مقصودِ حیات اللہ رب العزت کی رضا اور خوشنودی کا حصول ہو۔ وہ اس کیفیت اور حال میں اللہ رب العزت کی عبادت کیا کرتے ہیں گویا کہ وہ اللہ رب العزت کا دیدار کر رہے ہیں۔ صحیح بخاری میں مذکور حدیث جبرائیل میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے مقامِ احسان کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ان تعبد اللہ کانك تراہ وان لم تکن تراہ فانه یراك۔

مقامِ احسان یہ ہے کہ تو اللہ رب العزت کی عبادت ایسے کر گویا کہ تو اللہ رب رب العزت کا مشاہدہ کر رہا ہے اور اگر یہ استعداد اور مقام نہ ہو تو یہ جان لے کہ وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔ مشاہدہ کے دو درجات ہیں:

۱۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ جب اللہ رب العزت کی عبادت کریں تو یہ تصور پیدا کریں کہ ہم اپنے رب کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

۲۔ جب یہ کیفیت اور مقام نہیں ہے تو یہ یقین رکھے کہ وہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ یعنی ہم مشاہدہ نہیں کر سکتے تو نہ کریں، وہ تو مشاہدہ کر رہا ہے۔

اگر ان دونوں کیفیات میں سے کوئی ایک کیفیت بھی پیدا ہو جائے تو یہ قبولیت کی علامت ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے ان بشری آنکھوں سے اللہ رب العزت کا دیدار اور مشاہدہ کیسے کیا جائے؟ اس سوال کا جواب سیدنا امام جعفر الصادق علیہ السلام نے نہایت ہی خوبصورت انداز میں ارشاد فرمایا ہے۔ حضرت امام ابو سعد نیشاپوری تہذیب الاسرار میں بیان کرتے ہیں کہ سیدنا امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسی نے پوچھا:

هل رايت الله تعالیٰ؟

کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا:

لم اکن لاعبد ربا لم اری۔

میں ایسا شخص ہی نہیں ہوں کہ اس رب کی عبادت کروں جو رب مجھے نظر نہ آئے۔ اس شخص نے تعجب کا اظہار کیا اور عرض کیا:

فکیف رایته فهولا تدرکه الابصار؟

اے امام! آپ نے اپنے رب کو کیسے دیکھ لیا، بشری آنکھیں تو اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں؟ سیدنا امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے جواب میں اس عقدہ کو حل کر دیا کہ جب ان بشری آنکھوں سے اسے نہیں دیکھا جا سکتا تو اپنے رب کا مشاہدہ اس دنیا میں کیسے کیا جائے؟ آپ نے فرمایا:

لم تره الابصار بالمشاهدة الاعيان ولکن راته القلوب بحقائق الایمان۔ لا یحس بالحواس ولا یقاس بالقیاس۔

یعنی ان آنکھوں نے اپنے رب کو تو نہیں دیکھا ہوا مگر یہ مشاہدہ ایمان اور دل کی حقیقت کے ذریعے ہوتا ہے۔ میں نے اپنے رب کا مشاہدہ اپنے قلب اور حقیقتِ ایمان کے ذریعے کیا ہے چونکہ وہ رب ایسا رب ہے کہ اسے محسوس نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی کسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔

اللہ رب العزت کے برگزیدہ لوگوں کے دل میں ایمان کا نور ہوتا ہے اور اس ایمان کے نور کی ایک حقیقت ہوتی ہے، وہ اپنے رب کا مشاہدہ اس حقیقت سے کرتے ہیں۔

جس طرح بشری آنکھیں ہیں، اسی طرح دل کی بھی آنکھیں ہوتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہماری دل کی آنکھیں پاک ہیں۔۔۔؟ کیا یہ دل کی آنکھیں اپنے رب کا مشاہدہ کر سکتی ہیں۔۔۔؟ مال و دولت اور جاہ و منصب کی طلب، حرص، لالچ اور رذائلِ اخلاق کے سبب دل کی آنکھیں پاکیزہ و مطہر نہیں ہوتیں جس کی وجہ سے وہ اپنے رب کا مشاہدہ نہیں کر سکتیں۔

ہمیں سیدنا امام جعفر صادق علیہ السلام کے اس قول اور ارشاد سے سیکھنا چاہیے کہ دلوں کو پاکیزہ اور مطہر کر لیں تاکہ ہمارے دل کی آنکھیں اس قابل ہو جائیں کہ وہ اپنے رب کا مشاہدہ کر لیں۔

☆ امام سلمی طبقات الصوفیہ میں بیان کرتے ہیں کہ امام سری السقطی رضی اللہ عنہ اللہ کی بارگاہ میں یوں عرض کرتے:

اللھم ماعذبتنی بشئی فلا تعذبنی بذل الحجاب۔

اے باری تعالیٰ تونے آج تک مجھے کسی چیز کا عذاب نہیں دیا، پس روز قیامت بھی مجھے اپنے دیدار سے محروم نہ کرنا اور میرے اور اپنے درمیان وہ حجاب قائم نہ فرمانا جس کی وجہ سے میں تیرا دیدار نہ کرسکوں۔

ہمارا یہ مقام ہے کہ ہم جہنم کی آگ سے پناہ مانگتے ہیں مگر عشاق اس چیز سے پناہ مانگتے کہ روزِ قیامت اللہ رب العزت انھیں اپنے دیدار سے محروم نہ کردے۔

مشاہدہ و معرفتِ الٰہی کیونکر ممکن ہے؟

مشاہدہ و دیدارِ الٰہی کیسے حاصل ہو؟ اس حوالے سے امام ابو سعد نیشا پوری تہذیب الاسرار میں بیان فرماتے ہیں کہ امام ابوالحسین النوری فرماتے ہیں کہ مقامِ مشاہدہ اور مقامِ دیدار الٰہی اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ

قدحیل بینی وبین قلبی منذ اربعین سنة، وما اشتھیت شیئا ولا تمنیت شیئا۔

میرے اور میری نفسانی خواہشات کے درمیان چالیس سال سے ایک پردہ ہے یعنی چالیس سال سے میں نے اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی نہیں کی۔ میں نے کسی چیز کی نہ ہی خواہش کی اور نہ ہی کسی چیز کی تمنا کی بلکہ صرف ایک ہی تمنا ہے کہ روز قیامت اس کا دیدار نصیب ہو جائے۔

پوچھا گیا کہ آپ کی نفسانی خواہشات، تمنائیں، لذتیں اور آرزوؤں کے درمیان چالیس سال سے ایک پردہ ہے، یہ کیسے ممکن ہوا؟ فرمایا: منذ عرفت ربی۔

یہ پردہ اس وقت سے قائم ہے، جب سے میں نے اپنے رب کو پہچان لیا ہے۔ ہمیں بھی اپنے رب کو پہچاننے کی ضرورت ہے۔ جو اپنے رب کو پہچان جاتے ہیں، وہ اسی کے ہو جاتے ہیں اور دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں۔

امام ابو سعد نیشاپوری تہذیب الاسرار میں بیان کرتے ہیں کہ سیدنا امام ذوالنون مصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ معرفت کے تین درجات ہیں:

۱۔ توحید کی معرفت۔ یہ مومنین کی معرفت ہے۔

۲۔ معرفت الحجة والبیان: دلیل اور بیان کی معرفت۔ یہ علماء، حکماء اور بلغاء کی معرفت ہے۔

۳۔ معرفة صفات الواحدانیه: اللہ رب العزت کی وحدانیت کی صفات کی معرفت۔ یہ اولیاء کی

معرفت ہے جو اپنے دلوں کے ذریعے اپنے رب کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

عرفاء اور شوقِ مشاہدۂ حق

امام الرفاعی اپنی کتاب حالة اهل الحقیقه مع الله میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام کثرت سے اپنے رب کی یاد، تمنا اور جستجو میں آنسو بہاتے تھے۔ حتیٰ کہ روتے روتے ان کی بصارت چلی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کی بینائی لوٹا دی مگر ان کی وارفتگی کا عالم یہ تھا کہ عشق و محبت اور مستی کے عالم میں روتے روتے ان کی بینائی دوبارہ چلی گئی۔ اللہ رب العزت نے پھر بینائی لوٹا دی۔ تیسری مرتبہ بھی جب یہ ہوا تو اللہ رب العزت نے اپنے محبوب نبی سے فرمایا:

يا شعيب ان كان بكاؤك من مخافة النار فقد امنتك من النار وان كان بكاؤك من اجل الجنة فقد اوجبت لك الجنة۔

اے شعیب! اگر دوزخ کے ڈر سے روتے ہو تو اس سے میں نے تجھے امان عطا کر دی ہے اور اگر جنت کی آرزو ہے تو جنت تجھ پر واجب کر دی ہے۔ جنتیں تو تمہارے لیے ہیں۔ یعنی دوزخ کا خوف ہے تو تجھے اس سے امان ہے اور اگر جنت کی آرزو ہے تو تجھے یہ نعمت حاصل ہے۔ پھر کیوں روتے ہو؟

یہ محبت کے انداز ہیں، وہ رب اپنے محبوب بندوں سے اسی طرح پیار بھرا کلام کرتا ہے۔ سیدنا شعیب علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یارب میں کچھ نہیں مانگتا، میری کوئی طلب نہیں ہے۔

ولكن من الشوق الى رؤيتك۔

فقط تیرے دیدار کا متمنی ہوں اور تیرے دیدار کی تلاش ہے۔ مجھے نہ اِس جہاں کی جنت چاہیے اور نہ اُس جہاں کی جنت چاہیے، میری جنت تو فقط اے باری تعالیٰ تیرا دیدار ہے۔

کیا ہماری بھی یہی جنت ہے؟ افسوس کہ ایسا نہیں ہے۔ ہماری جنت تو سہولت کی زندگی ہے، ہماری جنت؛ مال و دولت، جاہ و منصب اور شہرت و ناموری کا حصول ہے۔ عشاق و محبین جنت و دوزخ کے سبب اللہ کی عبادت و ذکر نہیں کرتے بلکہ اُن کا مقصدِ وحید فقط مشاہدۂ حق ہوتا ہے اور وہ اسے پا بھی لیتے ہیں۔

امام قشیری الرسالہ میں بیان کرتے ہیں کہ امام عبداللہ الانصاری نے فرمایا کہ انہوں نے حضرت حسین الانصاری سے سنا کہ

رايت فی نوم فان القيامة قد قامت فشخص قائم تحت العرش فيقول الحق: يا ملائكتی! من هذا؟

وہ خواب میں دیکھتے ہیں کہ حشر کا میدان بپا ہے اور اللہ رب العزت اپنے ملائکہ سے فرماتا ہے کہ یہ شخص جو میرے عرش کے نیچے کھڑا ہے، یہ کون ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ تو ہی بہتر جانتا

ہے۔ پھر اللہ رب العزت خود فرماتا ہے کہ:

هذا معروف الكرخي سكر من حبي فلا يفيق الا بلقائي۔

اے ملائکہ! یہ معروف کرخی ہے۔ یہ عرشِ الٰہی کے نیچے عالمِ مدہوشی و مستی میں کھڑا ہے اور جب تک اسے میرا مشاہدہ اور دیدار نصیب نہیں ہو جاتا، اس کی مدہوشی و مستی ختم نہ ہو گی۔

☆ حضرت رابعہ بصری اپنے رب کے حضور اس طرح دعا کرتیں:

همتي ومرادي في الدنيا من الدنيا ذكرك وفي الآخرة من الآخرة رويتك ثم فافعل بينهما ما شئت۔

باری تعالیٰ! میرا منتہائے کمال اور مقصودِ حیات اس زندگی میں تیرا ذکر ہے اور آخرت میں مجھے فقط تیرا دیدار چاہیے۔ میرا مقصود و مطلوب کوئی اور نہیں ہے۔ پس اس جہاں میں اور اُس جہاں میں میرے ساتھ تو جو حشر کرنا چاہتا ہے اور مجھے جو انجام دینا چاہتا ہے، وہ دے دے، لیکن مجھے فقط اِس دنیا میں اس قابل بنا دے کہ میں تیرا ذکر کر سکوں اور اُس جہاں میں اس قابل بنا دے کہ میں تیرا مشاہدہ کر سکوں۔

ہمارا مقصود و مطلوب بھی یہ ہی ہونا چاہیے کہ اس جہاں میں زندگی بسر کریں تو رب کی یاد میں بسر کریں اور اُس جہاں میں پہنچیں تو اللہ رب العزت ہمیں اپنے مشاہدہ سے سرفراز فرمائے۔

تجدید و احیائے دین، دعوت و تبلیغ حق، اصلاح احوال امت اور ترویج و اقامت اسلام کے عظیم مصطفوی مشن کے فروغ اور اسلام کی حقیقی تعلیمات سے آگہی کے لئے

ماہنامہ منہاج القرآن

کی سالانہ خریداری حاصل کریں

زیرِ سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

فی شمارہ: 60 روپے
سالانہ خریداری: 700 روپے

اپنے علاقے میں موجود پبلک لائبریریز، کالجز، سکولز، عوامی مقامات، دوست احباب اور علاقے کی موثر شخصیات کو سالانہ خریداری کی صورت میں تحفہ بھجوائیں

365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 042-111-140-140 Ext: 128
0300-8886334 Whatsapp: 0300-8105740
Web:www.minhaj.info Email:mqmujallah@gmail.com

اجتماعی مقصدِ حیات، مصطفوی معاشرے کا قیام

ڈاکٹر نعیم انور نعمانی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ (العنکبوت، ۲۹: ۶۹)

”اور جو لوگ ہمارے حق میں جہاد (یعنی مجاہدہ) کرتے ہیں تو ہم یقیناً انہیں اپنی (طرف سَیر اور وصول کی) راہیں دکھا دیتے ہیں۔“

جو لوگ کسی بھی میدان میں اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے جدوجہد کرتے ہیں، باری تعالیٰ ان کی جدوجہد کو ثمر آور کرتا ہے اور ان کی سعی و کاوش کو نتیجہ خیز بناتا ہے۔ اگر مقصد عظیم ہو تو رب کا وعدہ ہے کہ لنھدینھم سبلنا کا چشمہ ہماری بارگاہ سے جاری ہو جائے گا اور انسان کو لمحہ بہ لمحہ ہدایتِ ربانی ملتی رہے گی اور وہ منزل کی طرف بڑھتا رہے گا۔ تمام تر رکاوٹوں کی پرواہ کیے بغیر اپنی تمام تر صلاحیتوں اور استعدادِ کار کو عظیم مقصدِ حیات کو حاصل کرنے کے لیے صرف کرنا جاھدوا فینا ہے۔ جاھدوا میں اپنے نفس کی باطل خواہشات کا مقابلہ کرنا بھی شامل ہے۔ ایسی خواہشاتِ نفس جو انسان کو اپنا غلام بنا لیتی ہیں اور اعلیٰ مقصد کی جدوجہد میں مزاحم ہو جاتی ہیں۔ انسان کو اپنی جدوجہد کو منزل آشنا کرنے کے لیے ان اندرونی اور بیرونی خطرات اور سازشوں سے بھی مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔

انسانی جدوجہد ہمیشہ اس کے مقصدِ حیات کے گرد گھومتی ہے۔ ہمیں اپنا مقصدِ حیات دنیا کے فلاسفر اور حکماء سے نہیں سمجھنا بلکہ اس خالقِ دوجہاں سے سمجھنا ہے جس نے ہمیں تخلیق فرمایا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔

”اور میں نے جنّات اور انسانوں کو صرف اسی لیے پیدا کیا کہ وہ میری بندگی اختیار کریں۔“ (الذاریات، ۵۱: ۵۶)

قرآن مجید نے انسان کا مقصدِ حیات ”بندگی اختیار کرنا“ قرار دیا ہے۔ اللہ رب العزت نے مقصدِ حیات کی اس واضحیت کے ساتھ ساتھ یہ بھی بیان کر دیا کہ کوئی انسان بھی اپنی زندگی میں یہ تصور نہ کرے کہ وہ عبث پیدا کیا گیا ہے اور اس کی زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہے۔ ارشاد فرمایا:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا۔ (المومنون، ۲۳: ۱۱۵)

”سو کیا تم نے یہ خیال کر لیا تھا کہ ہم نے تمہیں بے کار (و بے مقصد) پیدا کیا ہے۔“

زندگی کے اس واضح مقصد یعنی عبادت و عرفانِ الٰہی کے حصول کا راستہ بھی قرآن مجید نے واضح کر دیا ہے کہ وہ راستہ مسلسل جدوجہد اور احسن عمل سے عبارت ہے۔ ارشاد فرمایا:

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ (الملک، ۶۷: ۲)

”جس نے موت اور زندگی کو (اِس لیے) پیدا فرمایا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل کے لحاظ سے بہتر ہے۔“

مقصدِ حیات اور ذریعۂ حیات میں فرق

شاہراہِ حیات پر چلتے چلتے انسان ذریعۂ حیات اور مقصدِ حیات کو خلط ملط کر دیتا ہے۔ عام دنیوی زندگی میں اگر کسی سے سوال کریں کہ تمہارا مقصدِ حیات کیا ہے؟ تو اس کے جواب میں ہمیں یہ سننے کو ملتا ہے کہ مجھے ڈاکٹر بننا ہے، انجینئر بننا ہے، بیرسٹر بننا ہے، پروفیسر بننا ہے، فلاں فلاں پروفیشنز میں اس منصب تک پہنچنا ہے۔ یہ سارے عہدہ و مناصب انسان کے مقصدِ حیات نہیں ہیں بلکہ یہ سارے ذرائع حیات ہیں کہ ان کے ذریعے انسان اپنی حیات کو باقی رکھتا ہے، اپنی زندگی کا نظام ان کے ذریعے چلاتا ہے اور ان ہی کے ذریعے آمدن و دولت کماتا ہے۔ مقصد اور ذریعۂ حیات میں بڑا واضح فرق ہے۔ مقصدِ حیات ایک مرتبہ متعین ہو جانے کے بعد بدلتا نہیں ہے جبکہ ذریعۂ حیات بدلتا رہتا ہے۔ کوئی طالب علم بیرسٹر بننا چاہتا ہے لیکن بعد ازاں حالات موافق نہ رہے اور وہ انجینئر بن گیا تو اس سے معلوم ہوا کہ ذریعہ اور

ذرائعِ حیات بدلتے رہتے ہیں جبکہ مقصدِ حیات کبھی نہیں بدلتا۔

ہمارا مقصدِ حیات کیا ہے؟

مقصد ہمیشہ بڑا ہوتا ہے اور وہ مقصد انسانی فلاح، دینی تفوق، معاشرتی اصلاح اور قوم کی تقدیر بدلنے سے عبارت ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ مقصد دے کر مبعوث کیا گیا کہ

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔ (الصف، ٦١: ٩)

”وہی ہے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ اسے سب ادیان پر غالب و سربلند کر دے خواہ مشرک کتنا ہی ناپسند کریں۔“

اب ہمیں بحیثیت مسلمان اس آیتِ کریمہ کی روشنی میں اپنے مقصدِ حیات کا تعین کرنا ہے اور پھر اس کے تعین کے بعد اپنی زندگی کی ساری مساعی و کاوش کو اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے صرف کر دینا ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے اعلانِ بعثت کے بعد اپنی اس ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ، طائف، مدینہ منورہ اور عرب کے دیگر علاقوں اور قبائل تک دعوتِ اسلام پہنچانے اور معاشرے کی اصلاح کے لیے اپنی زندگی کے شب و روز ایک کر دیے۔ دن ہو یا رات ہر وقت اپنے مقصدِ بعثت کو حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہے۔

(ا) انفرادی مقصدِ حیات؛ حصولِ علم ہے

ایک مسلمان کو بھی اپنی زندگی رسول اللہ ﷺ کی سیرت مطہرہ کی روشنی میں با مقصد بنانا ہے۔ اس اعتبار سے ہر مسلمان کی زندگی کے دو رخ ہیں:

ا۔ انفرادی زندگی　　　۲۔ اجتماعی زندگی

انفرادی زندگی کو با مقصد بنانے کے لیے علم حاصل کرنا ضروری ہے اور پھر اس علم پر دین کی تعلیمات اور احکامات کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے اور بعد ازاں اس کے ذریعے دوسروں کی زندگیوں کو سنوارنا انفرادی مقصدِ حیات ہے۔ انسانی زندگی کو با مقصد بنانے کے لیے پہلی چیز طلبِ علم ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ہر مسلمان کے لیے طلب علم کو فرض قرار دیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة۔

بد قسمتی سے حصولِ علم کے اس راستے کو ہم فراموش کر چکے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو اس انفرادی مقصدِ حیات سے آشنا کرنے کے لیے سب سے پہلے انھیں تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا۔

(۲) اجتماعی مقصدِ حیات؛ مصطفوی معاشرے کا قیام

ہمیں انفرادی زندگی کے مقصد حیات کو سامنے رکھنے کے ساتھ ساتھ اجتماعی مقصدِ حیات کو بھی مدنظر رکھنا ہوگا۔ اس اجتماعی مقصدِ حیات کے سبب ہی کوئی قوم اقوامِ عالم میں زندہ قوم کے طور پر سامنے آتی ہے۔ اگر صرف انفرادی زندگی کے مقصدِ حیات پر ہی زور دیا جائے اور اجتماعی مقصدِ حیات کو نظر انداز کردیا جائے تو پھر سقوطِ بغداد جیسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ جہاں بڑے بڑے علماء موجود تھے مگر ہلاکو اور چنگیز خان کے ہاتھوں ان کی گردنیں بھی کاٹی گئیں۔ یہ لوگ انفرادی زندگی میں باشعور تھے مگر اجتماعی شعور قوم میں پیدا نہ کرسکے تھے۔ اگر اجتماعی شعور زندہ ہو تو اقوام تباہی کا شکار نہیں ہوتیں۔ اجتماعی شعور زندہ ہو تو اقوام محض اپنے جذبہ، حکمت اور شعور کے ساتھ بھی دشمن کو ناکام کرسکتی ہیں۔ جس قوم میں اجتماعیت ہو، وہ کبھی نہیں مرتی اور جس قوم کی اجتماعیت مر جائے، وہ قوم زندہ ہوتے ہوئے بھی مردہ قوم ہو جاتی ہے۔

> انسانی جدوجہد ہمیشہ اُس کے مقصدِ حیات کے گرد گھومتی ہے ہمیں اپنا مقصدِ حیات دنیاوی فلاسفر سے نہیں خالق کائنات سے لینا ہے

ہماری قوم کی اجتماعیت کو سب سے زیادہ نقصان سیاست اور مذہب کے غلط استعمال نے پہنچایا ہے۔ ہم نے پوری قوم میں سیاست کے نام پر ایک دوسرے سے نفرت و حقارت پیدا کی ہے اور مذہب کے نام پر فرقہ واریت اور مذہبی جنونیت کو ہوا دی ہے۔ آج نہ تو کوئی سیاستدان اجتماعیت کی دعوت دیتا ہے اور نہ ہی دین کا کوئی مبلغ (الا ماشاء اللہ) عملی اجتماعیت کا نام لیتا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ قوم اپنا کوئی اجتماعی تشخص نہیں رکھتی۔ اجتماعیت کے اس فقدان کے باعث نہ صرف ہم قومی سطح پر بلکہ امتِ مسلمہ عالمی سطح پر زوال کا شکار ہے۔

اجتماعی مقصدِ حیات کے حصول کا لائحہ عمل

اجتماعی مقصد حیات کو حاصل کرنے کے لیے درج ذیل اقدام ناگزیر ہیں:

۱۔ قوم کی ذہن سازی یعنی ان کی تربیت کرنا ہوگی۔

۲۔ ذہین افراد کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانا ہوگا۔

۳۔ افرادِ معاشرہ کی معاشی کفالت کرنا ہوگی۔

بعدازاں معاشرے کو مثالی بنانے کے لیے درج ذیل اقدام کرنے ہوں گے:

۱۔ تعلیم و تربیت کے عمل کو ہر سطح پر نافذ کرنا ہوگا اور معاشرے میں مثبت سرگرمیوں کو فروغ دینا ہوگا۔

۲۔ معاشرے میں انصاف کی فراہمی کو بھی ممکن بنانا ہوگا کہ کسی کا حق نہ مارا جائے، کسی کے ساتھ ظلم نہ ہو، کسی کی زمین پر قبضہ نہ ہو، کسی کے اثاثہ جات کو چھینا نہ جائے اور معاشرے کے کسی بھی فرد کے حق کو پامال نہ کیا جائے۔

۳۔ معاشرے کے ہر کمزور، ضرورتمند اور بے حال و بے سہارا افراد اور مقروض شخص کی مدد کے لیے بیت المال کا قیام عمل میں لانا ہوگا۔

۴۔ ہم معاشرے میں جس جمہوریت کی بات کرتے ہیں اس کے لیے عوام میں بیداریِ شعور کی مہم چلانا ناگزیر ہے۔

یہی اقدامات ہماری اجتماعی زندگی کو خوبصورت و حسین اور دلکش بنا سکتے ہیں۔ ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے ہر شخص کو اخلاص کا مظاہرہ کرنا ہوگا اور ان تمام اقدامات کے عملی نفاذ اور معاشرے کو مثالی بنانے کے لیے ہر فرد کو انتہائی سنجیدگی اور سمجھداری کا رویہ اپنانا ہوگا۔

اجتماعی مقصدِ حیات کا حصول کیونکر ممکن ہے؟

زندگی کے کسی بھی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے پہلی چیز اس فرد اور قوم کا اخلاص (Sincerity) ہے۔ دوسری چیز جو مقصد کے حصول کو یقینی بناتی ہے وہ شعور (Sensibility) ہے۔ شعور کا تعلق انسان کے ذہن کے ساتھ ہے۔ کامیابی کے لیے تیسرا عنصر سنجیدگی (Seriousness) ہے۔ اگر ہم اپنے مقصد کے حصول کے لیے سنجیدگی اختیار نہیں کرتے تو کبھی کامیابی ہمارا مقدر نہیں بن سکتی۔ کوئی بھی شخص کامیابی کے ان تینوں عناصر کو کماحقہ اپنا کر ہی کامیاب ہو سکتا ہے۔

کچھ لوگ مخلص ہوتے ہیں مگر بے شعور ہوتے ہیں، نتیجتاً وہ ناکام ہو جاتے ہیں اور کچھ باشعور ہوتے ہیں مگر اپنے مقصد کے حصول میں سنجیدہ نہیں ہوتے ہیں، اس لیے وہ بھی خاسر ہو جاتے ہیں۔ الغرض تینوں عناصر میں سے کسی ایک کی کمی بھی کامیابی سے محروم کر دیتی ہے۔

اخلاص، شعور اور سنجیدگی یہ تینوں عوامل انسانی کامیابی کے لیے ناگزیر ہیں جبکہ اس کامیابی کو حاصل کرنے کے لیے کچھ عملی عناصر بھی ہیں:

۱۔ پہلا عنصر اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اس کی منصوبہ بندی اور پھر اس کا مکمل تنظیمی عمل (Organizational process) لازمی ہے۔ کسی بھی مقصد کے حصول کے لیے منصوبہ بندی اور تنظیمی عمل اس کی کامیابی کو یقینی بنا دیتا ہے۔

۲۔ انفرادی اور اجتماعی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے دوسرا عملی عنصر تربیت (Training) ہے۔ جب تک انسان تربیت کا مرحلہ طے نہ کرے، کامیابی کا حصول یقینی نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت کی اور اسی وجہ سے آپ ﷺ نے بہت قلیل وقت میں اپنے مقصدِ بعثت کو پالیا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی عطا کردہ تعلیم اور تربیت کا نتیجہ ہی تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اتنے بڑے جزیرۂ عرب کو صرف اور صرف دس سال کے قلیل عرصہ میں آپ ﷺ کی قیادت میں فتح کرلیا اور اس میں اسلامی حکومت قائم کردی۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کی ویعلمھم اور یزکیھم کے ذریعے ہمہ جہتی تربیت کا اہتمام کیا تھا۔ اگر آج ہم اپنی قوم کو دینی و دنیاوی ہر دو لحاظ سے اخلاق و کردار اور اقدار سکھانا چاہتے ہیں تو اس کے لیے ہمیں ان سب کو تعلیم و تربیت سے مزین کرنا ہوگا۔ اسلام کا ہر عمل ایک تعلیم بھی ہے اور ایک مستقل تربیت بھی ہے۔ نماز ہی کو لے لیں یہ تعلیم و تربیت کا خوبصورت مرکب ہے۔ ایک امام کی اقتداء میں نماز ادا کرنا اور ہر ہر رکن صلوٰۃ میں ہر مقتدی کا امام کی اتباع اور پیروی کرنا ایک مسلمان کی تربیت کا اہتمام ہے۔ اس عمل کا مقصد کسی ایک امام، رہبر، راہنما کی اطاعت اور پیروی کرنا ہے اور اسی کردار کے ذریعے کسی عمل کی اجتماعی تکمیل ہوتی ہے۔

خلاصۂ کلام

قوم کی اجتماعی کامیابی کے لیے قوم کی تعلیم، تنظیم اور تربیت لازمی ہے، اسی صورت قومی مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔ ہمیں ہر سطح پر معاشرتی برائیوں کو ختم کرنا ہوگا اور معاشرتی اچھائیوں کو زندہ کرنا ہوگا۔ ہمیں بحیثیت مسلمان اس کردار کو اپنانا ہوگا کہ ایمان والے تو وہ ہیں جو یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر کا عملی پیکر ہوتے ہیں۔

معاشرے سے کسی ایک بھی اچھائی کو ختم کرنا تمام اچھائیوں کو ختم کرنا ہے اور کسی ایک اچھائی کو زندہ کرنا، سارے معاشرے کی اچھائی کی قدروں کو زندہ کرنا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے

> حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کو مقصدِ حیات سے آشنا کرنے کے لئے اُنہیں تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا

قرآن حکیم نے ایک انسانی جان کے ناحق قتل کو تمام انسانوں کا قتل قرار دیا ہے اور ایک انسانی جان کی حفاظت کو کل انسانی جانوں کی حفاظت قرار دیا ہے۔ اسلام ایک نفس اور ایک جان میں کل جہاں کا تصور دیتا ہے اور سب سے زیادہ اجتماعیت پر زور دیتا ہے اور اسی حقیقت کو ید اللہ علی الجماعة کے تصور کے ساتھ واضح کرتا ہے۔ جس فعل کو ساری قوم مل کر کرے، اس میں اللہ کی مدد بھی شامل حال ہو جاتی ہے۔

بد قسمتی سے آج تک ہم نے من حیث المجموع اس قوم کو کوئی قومی ہدف نہیں دیا ہے، کوئی قومی شعور نہیں دیا ہے، کوئی قومی اخلاق نہیں دیا ہے اور کوئی قومی مقصد اور نصب العین نہیں دیا ہے۔ اس لیے ہم انفرادی زندگی میں بھی بے مقصد اور قومی زندگی میں بھی بے مقصد ہیں۔ ہماری انفرادی کاوشیں بھی بے شمار ہیں اور اجتماعی کاوشیں بھی بے حساب ہیں مگر ان کی سمت متعین اور رخ مقرر نہیں ہے۔ ہم من حیث القوم اس اونٹنی کی طرح ہیں، جو بے لگام و بے مہار ہے اور بغیر کسی مقصد کے چلے جا رہی ہے۔

آیئے ہم انفرادی اور اجتماعی سطح پر اپنے اصل مقصد کو پہچانیں، اپنی قوم اور اپنی ناقہ بے زمام کو پھر سے مقصد اور منزل کی جانب گامزن کر کے اس قوم کو ایک عظیم قوم بنا دیں اور اس معاشرے کو ایک مثالی اور مصطفوی معاشرہ بنا دیں۔ علامہ محمد اقبال کی طرح ہر صاحبِ درد کو اپنی قوم کی ناقۂ بے زمام کو سوئے قطار می کشم کا فریضہ سرانجام دینا چاہیے۔ اسی جانب متوجہ کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے اپنا وظیفہ حیات امت کو یوں بتایا ہے۔

نغمہ کجا و من کجا ساز سخن بہانہ ایست
سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را

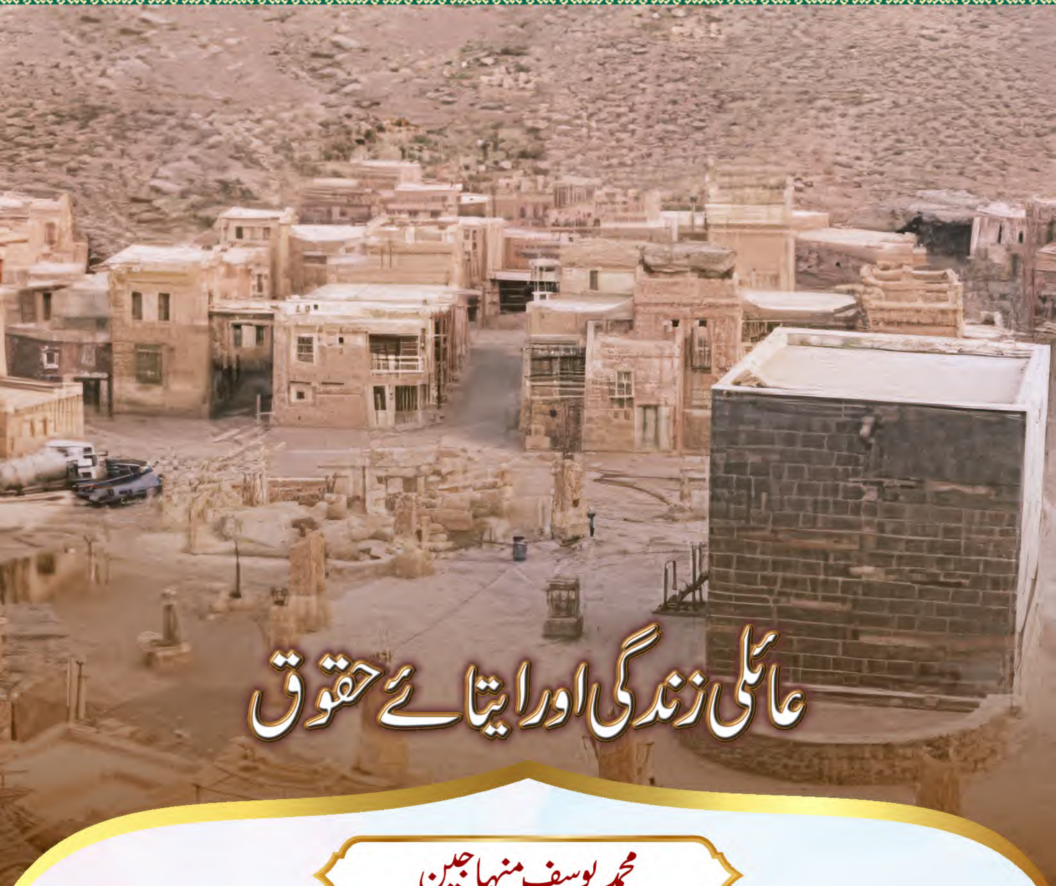

عائلی زندگی اور ایتائے حقوق

محمد یوسف منہاجین

حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کی انفرادیت یہ ہے کہ آپ ﷺ نے خالص دنیاوی امور کو آخرت کی فلاح سے جوڑ دیا ہے اور کامیاب مومن اسی کو قرار دیا ہے جو دنیاوی تعلقات کے اعتبار سے بھی اعتدال پر قائم ہو۔ آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں جہاں قول و عمل میں یکسانیت نظر آتی ہے، وہاں اس کا ایک اہم امتیاز یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے تمام تعلقاتِ دنیوی کے حقوق بھی کماحقہ ادا فرمائے ہیں۔ آپ ﷺ کی حیات میں کسی بھی تعلق کا دائرہ دوسرے سے متصادم نظر آتا ہے اور نہ دوسرے کی حدود میں مداخلت کرتا ہے۔ یہی وہ راز ہے کہ اگر ہم میں سے ہر شخص اسے عملی طور پر اختیار کرلے تو نہ صرف اس کی گھریلو اور خانگی زندگی خوشگوار ہوسکتی ہے بلکہ معاشرہ بھی جنت نظیر معاشرہ بن سکتا ہے۔

دنیاوی زندگی کے تعلقات میں سے سب سے اہم گھریلو زندگی کا تعلق ہے، جس میں والدین، بیوی، بچے اور رشتہ دار شامل ہیں۔ ان تمام رشتوں کی نوعیت باہم مختلف ہے مگر ان رشتوں کا امتیاز برقرار رکھتے ہوئے ان سے اعتدال پر مبنی تعلق کو قائم رکھنا اصل کمال ہے۔ گھریلو زندگی حیاتِ انسانی کا ایک ایسا باب ہے جہاں اعتدال اور احتیاط سے ہر ایک کے ساتھ تعلقات نبھانا کامیابی اور قلبی سکون کا

راز ہے، بصورتِ دیگر افراط و تفریط یا معمولی سی بے احتیاطی انسان کو نہ صرف اخروی کامیابی سے محروم کر دیتی ہے بلکہ دنیا میں بھی بے سکونی اور ہیجان و اضطراب مقدر بنا رہتا ہے۔

ہمارے گھریلو حالات میں ناخوشگواری، ناچاقی اور عدمِ اطمینان کی کیفیات کا مشاہدہ عام ہے۔ ہمارے گھروں کی کیفیت ہمارے لیے ایک المیہ ہے۔ ہم سب اس حوالے سے پریشان بھی ہیں اور ان مشکلات کے حل کی تلاش میں بھی ہیں۔ مگر شاید ہم اس حقیقت سے بہت کم واقف ہیں کہ ہماری ان پریشانیوں کا حل ہمارے گھر میں ہی موجود ہے۔ صرف ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اس سمت غور و فکر کریں، اسے سمجھیں اور پھر خلوصِ دل کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہوں۔

انسان کی گھریلو زندگی یعنی اس کے خاندان کے افراد میں میاں بیوی، والدین، اولاد اور رشتہ دار شامل ہیں۔ گھر کے اندر موجود ان تمام افراد کا ایک وحدت کی صورت میں مثبت انداز میں سرگرم رہنے سے پورا گھر اور خاندان راحت و سکون پاتا ہے اور اس میں کسی جانب سے بھی خلل اور رکاوٹ پورے گھریلو ماحول کو متاثر کر ڈالتی ہے۔ اس لیے گھریلو زندگی کے استحکام کا مدار اس بات پر ہے کہ اس کے تمام افراد باہم ایک دوسرے سے کس حد تک جڑے ہوئے ہیں۔ گھریلو زندگی کے ان اجزا کو باہم مربوط رکھنے کے لیے دینِ اسلام میں واضح ہدایات موجود ہیں اور حضور نبی اکرم ﷺ نے اس سلسلے میں اپنا اسوۂ حسنہ عطا فرمایا ہے۔

ہماری گھریلو زندگی کس طرح خوشگوار ہو سکتی ہے اور ہم گھر میں موجود افراد سے کس طرح کا تعلق استوار رکھیں کہ یہ دنیاوی تعلقات ہماری اخروی فلاح کا ذریعہ بھی بن جائیں؟ اس حوالے سے ہمارے لیے رسول اکرم نبی رحمت ﷺ کی حیات مبارکہ میں بہترین سبق موجود ہے۔ آپ ﷺ نے حسنِ تدبیر اور اعتدال کے سبب گھریلو زندگی سے تعلق رکھنے والے ہر ایک رشتہ کو اس طرح نبھایا کہ امت کے لیے رہنمائی و رہبری کی ایک مثال قائم فرما دی۔ ذیل میں حضور نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں گھریلو زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے خاندان کے جملہ افراد؛ والدین، ازواج، اولاد اور رشتہ داروں کے بارے میں تعلیمات کو بیان کیا جاتا ہے کہ اگر ہر شخص گھر کے اندر رہنے والے کا حق ادا کرتا رہے تو گھر امن و سکون کا گہوارا بن سکتا ہے:

۱۔ حقوقِ والدین کی ادائیگی

گھریلو زندگی میں سب سے پہلا اور بڑا تعلق ''والدین'' ہیں۔ انسان اپنی پیدائش سے لے کر زندگی کے بہت سے معاملات میں ان کا محتاج ہے۔ انسان اپنی پوری زندگی میں ان سے فیض یاب ہوتا

اور فائدے اٹھاتا ہے۔ انسان پر اس کے والدین کے احسانات لا متناہی ہیں۔ یہی وجہ ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی اولاد اپنے باپ کا بدلہ نہیں چکا سکتی۔ سوائے اس کے کہ وہ باپ کو کسی کے پاس غلام دیکھے اور اسے خرید کر آزاد کر دے۔

(سنن ترمذی، ۳: ۳۶۳، الرقم: ۱۹۱۳)

قرآن مجید نے والدین کے ساتھ سلوک کے لیے لفظ احسان استعمال کیا ہے، جس کے مفہوم میں حسنِ سلوک اور ان کی اطاعت و تابعداری شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی عبادت کرنے اور شرک نہ کرنے کی تلقین کے فوراً بعد والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔

(النساء، ۴: ۳۶)

”اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔“

آپ ﷺ نے کثیر احادیث مبارکہ میں والدین کی خدمت کی جانب متوجہ کیا ہے۔ کسی روایت میں آپ ﷺ نے والدین کی خدمت کو جہاد قرار دیا۔۔ کسی جگہ والدین کی خدمت کو رزق میں اضافے اور عمر کی درازی کا سبب قرار دیا۔۔ اور کسی جگہ والدین کی خدمت کو اللہ کی رضا مندی کا باعث بھی بتایا۔ جبکہ والدین کی نافرمانی اور خدمت نہ کرنے والے شخص کو بد قسمت ترین شخص قرار دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص رسوا اور بے عزت ہوا۔ صحابہ نے پوچھا: کون یا رسول اللہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جس نے اپنے ماں باپ، دونوں کو یا کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور (ان کی خدمت کر کے) بہشت میں داخل ہونے کا موقع حاصل نہ کیا۔

(صحیح مسلم ۴: ۱۶۵، رقم: ۲۵۵۱)

آپ ﷺ کے والد آپ ﷺ کی پیدائش سے قبل اور والدہ آپ ﷺ کے بچپن میں وصال فرما چکی تھیں، اس لیے آپ ﷺ کو ان کی خدمت کا موقع بھی نہ مل سکا۔ لیکن آپ ﷺ نے اپنے رضاعی والدین حضرت حلیمہ اور حضرت حارث رضی اللہ عنہما کے ساتھ نہایت محبت و احترام والا سلوک رکھا۔ حضرت عمر بن سائب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک بار آپ ﷺ تشریف فرما تھے کہ آپ کے رضاعی والد تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے اپنے کپڑے کا کچھ حصہ بچھا دیا، جس پر وہ بیٹھ گئے، پھر آپ ﷺ کی رضاعی والدہ تشریف لائیں، آپ ﷺ نے اس کپڑے کا مزید حصہ ان کے لیے دراز فرما دیا، وہ بھی اس پر تشریف فرما ہو گئیں، پھر آپ ﷺ کے رضاعی بھائی تشریف لائے تو

آپ کھڑے ہو گئے اور انہیں اپنے سامنے بٹھا دیا۔ (البدایہ، والنہایہ، ۳: ۳۹۳)

آپ ﷺ کا یہ اسوۂ حسنہ ہماری راہنمائی کرتا ہے کہ ہم اپنے والدین کے ساتھ محبت اور احترام پر مبنی تعلق کو بہر صورت قائم رکھیں۔ آج ہمارے گھروں میں اس حوالے سے صورت حال ناگفتہ بہ ہے۔ ہم بعض اوقات لاپرواہی میں اور کبھی جانتے بوجھتے بھی ایسی باتیں کر جاتے ہیں جو والدین کے احترام کے منافی ہیں۔ ہمارے رویے دینِ اسلام کی تعلیمات کے مطابق نہیں ہوتے۔ نتیجتاً گھریلو زندگی کے اس بڑے دائرے اور تعلق کو نظر انداز کرنے اور اس کا حق ادا نہ کرنے کے سبب گھر میں ہمہ وقت نہ صرف ناخوشگواری کا ماحول قائم رہتا ہے بلکہ ہم اللہ رب العزت کی برکت و رحمت سے بھی محروم رہتے ہیں۔ یہ سب ہمارے لیے لمحۂ فکریہ ہے، لہذا ہمیں اس حوالے سے اپنی زندگیوں کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

۲۔ حقوقِ زوجین کی ادائیگی

انسان کی گھریلو زندگی کی خوشگواری اور طمانیت قلبی کا دوسرا بڑا تعلق ازواج (میاں بیوی) کے باہمی تعلق پر مبنی ہے۔ عورت بیوی ہونے کی حیثیت سے اور مرد شوہر ہونے کی حیثیت سے ایک دوسرے سے محبت بھی رکھتے ہیں اور ایثار و قربانی کا سلوک بھی کرتے ہیں۔ مرد کا اکثر وقت اپنے اہل خانہ کے ساتھ گزرتا ہے، اس لیے وہ دوسروں کے سامنے تو اپنا بھرم برقرار رکھ سکتا ہے مگر اپنے گھر والوں کے سامنے بھرم قائم رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اس کی بدمزاجی، غصہ، تلخی، قول و عمل میں فرق اور دیگر عیوب گھر والوں کے سامنے آتے رہتے ہیں۔ یہی صورتِ حال ایک عورت کی بحیثیت بیوی کے ہوتی ہے۔ اس حوالے سے اگر ہم آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور عادات و اخلاق کا جائزہ لیں تو یہ امر سامنے آتا ہے کہ آپ ﷺ کی گھریلو زندگی کے اس تعلق میں ان چیزوں کا شائبہ تک نہیں ملتا۔

آپ ﷺ بحیثیت شوہر بھی ہمارے لیے ایسا اسوۂ حسنہ ہیں کہ جس کی روشنی سے ہم اپنے گھریلو ماحول میں پیدا ہونے والی تلخیوں اور اپنے عیوب کو دور کر سکتے ہیں۔ قرآن مجید میں شوہروں کو بیویوں کے حوالے سے حکم دیا گیا:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔ (النساء، ۴: ۱۹)

”اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے برتاؤ کرو۔“

ازواجِ مطہرات سے تعلق کے حوالے سے آپ ﷺ کی حیات طیبہ اس آیتِ مبارکہ کی عملی تصویر تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

خیرکم خیرکم لاھلی وانا خیرکم لاھلی۔

(سنن ترمذی، ۵: ۷۰۹، رقم ۳۹۲۱)

تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہے اور میں اپنے گھر والوں کے لیے تم سے بہتر ہوں۔

آپ ﷺ نے ہمیشہ عورتوں کے ساتھ اچھے سلوک اور صلح جوئی کی زندگی بسر کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ایک شخص نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ بیوی کا شوہر پر کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

ان یطعمھا اذا طعم وان یکسوھا اذا اکتسی ولا یضرب الوجہ ولا یقبح ولا یھجر الا فی البیت۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، ۲: ۵۹۰، رقم: ۱۸۵۰)

جب خود کھائے تو اس کو کھلائے، جب خود پہنے تو اس کو پہنائے۔ نہ اس کے منہ پر تھپڑ مارے، نہ اس کو برا بھلا کہے اور اگر اس سے علیحدگی اختیار کرنی پڑے تو یہ گھر کے اندر ہی ہو۔

عورتوں کے مزاج میں حساسیت، جلد بازی، ضد اور ان سے ملتی جلتی خصلتیں مردوں کی نسبت زیادہ ہوتی ہیں۔ یہ باتیں ان کے مزاج کا حصہ ہیں، جنھیں تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔ بعض اوقات مرد حضرات عورتوں کی ان نفسیاتی کیفیات کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ ان کی ضد کو سختی سے کام لے کر ختم کردیں گے۔ آپ ﷺ نے ایک نہایت عمدہ تشبیہ کے ذریعے ایسے حضرات کے لیے نصیحت فرمائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

عورتوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو کیونکہ ان کی پیدائش پسلی سے ہوئی ہے۔ اس کے ٹیڑھے پن کے ساتھ تم جس قدر کام لے سکتے ہو، لو۔ اگر تم اس کو سیدھا کرنے کی فکر کرو گے تو اس کو توڑ ڈالو گے۔ (بخاری کتاب النکاح، باب الوصاۃ بالنساء)

اسی طرح آپ ﷺ نے مردوں کو بیویوں کے معاملے میں خوشی، قناعت اور رضا کے حوالے سے رہنمائی عطا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ کوئی مومن شوہر اپنی مومنہ بیوی سے نفرت نہ کرے۔ اگر اس کی کوئی عادت ناپسندیدہ ہوگی تو اس کی کوئی دوسری عادت پسندیدہ بھی تو ہوگی۔

(صحیح مسلم، ۲: ۱۰۹۱، رقم: ۱۴۶۸)

حضور نبی اکرم ﷺ نے مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کو بھی اپنے شوہروں کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے اور انہیں خیر و فلاح کے راستے پر گامزن رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے عورت کو شوہر کی مکمل اطاعت کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

اگر میں اللہ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

(سنن ترمذی، ۲: ۳۸۶، رقم: ۱۱۶۲)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس عورت کا اس حالت میں انتقال ہوا کہ اس کا شوہر اس سے راضی تھا، تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔

(سنن ابن ماجہ، ۲: ۵۹۲، رقم: ۱۸۵۴)

آپ ﷺ نے ایک بڑی ازدواجی زندگی گزاری اور کئی مصلحتوں کے پیش نظر گیارہ شادیاں کیں اور ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ نو ازواج بھی آپ ﷺ کے عقد میں رہیں۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے نہ صرف بہترین عائلی زندگی بسر فرمائی اور اعلیٰ ترین معیار کے مطابق اپنا اسوۂ حسنہ پوری دنیا کے سامنے پیش فرمادیا بلکہ اس حوالے سے جامع ہدایات بھی عطا فرمائیں۔

ایک گھر کے اندر رہنے والے میاں بیوی، والدین، اولاد ایک وحدت ہیں، سکون کے لئے سب کا احترام ضروری ہے

ہجرتِ مدینہ کے بعد کاشانہ نبوی ﷺ کی صورتِ حال یہ تھی کئی کئی روز چولہا تک نہیں جلتا تھا اور کھجور وغیرہ پر گزارا ہوتا تھا، ایسے حالات میں بھی کوئی خلافِ مزاج بات پیش نہیں آئی اور آپ ﷺ کے حسن تدبر، مساوات پر مبنی برتاؤ اور محبت و شفقت بھرے طرز عمل نے ان کٹھن حالات میں بھی تمام ازواج مطہرات کو مطمئن و قانع رکھا۔

آپ ﷺ ازواج میں سے کسی کی حق تلفی یا کسی کے ساتھ بے انصافی نہیں ہونے دیتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے جو راتیں جس جس زوجہ محترمہ کے ہاں گزارنے کا شیڈول قائم فرمایا تھا، آپ ﷺ اس کی اتنی پابندی فرماتے کہ کبھی ہم میں سے کسی کو کسی پر ترجیح نہ دیتے۔ ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا کہ آپ ﷺ سب ازواج مطہرات کے یہاں تشریف نہ لے گئے ہوں۔ آپ ﷺ روزانہ عصر کی نماز کے بعد ازواج کے گھروں میں تشریف لے جاتے، ان کے پاس بیٹھتے، ان کے حالات معلوم کرتے۔ جب رات ہو جاتی تو وہاں تشریف لے جاتے، جہاں باری ہوتی اور وہیں شب بسر فرماتے۔ (سیرت النبی، ج ۲، ص ۲۲۰، ۲۶۱)

آپ ﷺ کی ازواج مطہرات نے بھی آپ ﷺ کی اطاعت کا حق کر دیا۔ آپ ﷺ کی کئی

ازواج عیش و عشرت کے ماحول میں پلی بڑھی تھیں اور مالدار گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں لیکن آپ ﷺ کے مشفقانہ طرزِ عمل، محبت اور ہر ایک کے حقوق کی ادائیگی نے انھیں کبھی دنیا کی عارضی نعمتوں کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا اور نہ کبھی انھوں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے دنیاوی اسباب کا مطالبہ کیا۔ آپ ﷺ گھریلو معاملات کو انسانی فطرت و مزاج کے مطابق چلاتے۔ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں تصنع اور تکلف نہ تھا۔

آج ہماری اخراجات سے بھری ہوئی زندگی اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل کو حل کرنے کے لیے بھی ضروری ہے کہ آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ کے ان واضح پہلوؤں کی روشنی میں عمل پیرا ہونے کی مکمل کوشش کی جائے۔ اسی صورت ہم گھریلو زندگی کے خوشگوار ہونے کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کر سکتے ہیں۔

(۳) حقوقِ اولاد کی ادائیگی

گھریلو زندگی کا تیسرا اہم پہلو اولاد سے تعلق رکھتا ہے۔ اسلام سے قبل والدین کو تو اپنی اولاد پر لامحدود اختیارات حاصل تھے مگر اولاد کا والدین پر کسی طرح کا کوئی حق نہیں مانا جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے اس باب میں بھی حقوق و فرائض کا توازن و تناسب قائم کیا اور واضح فرمادیا کہ والدین اور اولاد کے حقوق و فرائض کے پیمانے بے شک جدا جدا ہیں مگر کوئی بھی اپنے ذمہ فرائض کی ادائیگی سے بالا تر نہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا۔

وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کا احترام نہ کرے۔ (حاکم، ۱، ۱۳۱، رقم: ۲۰۹)

آپ ﷺ نے اولاد کی تعلیم اور تربیت کی جانب متوجہ کرتے ہوئے فرمایا کہ کوئی والد اپنے بچے کو اس سے بہتر تحفہ نہیں دے سکتا کہ وہ اس کو اچھی تعلیم دے۔

(سنن ترمذی، ۳، ۳۸۳، رقم: ۱۹۵۹)

اسلام کی نظر میں اولاد کے حوالے سے لڑکا اور لڑکی میں کوئی فرق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے لڑکیوں کی پرورش کے حوالے سے فرمایا: جس بندہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو بیٹیوں کی ذمہ داری ڈالی گئی اور اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو یہ بیٹیاں اس کے لیے دوزخ سے نجات کا سامان بن جائیں گی۔ (صحیح بخاری، کتاب الادب)

> آپ ﷺ کا یہ اسوۂ حسنہ ہماری راہ نمائی کرتا ہے کہ ہم اپنے والدین کے ساتھ محبت اور احترام پر مبنی تعلق کو بہر صورت قائم رکھیں

آپ ﷺ کی چار صاحبزادیاں اور تین صاحبزادے (صحیح قول کے مطابق) تھے، آپ ﷺ کے صاحبزادے اگرچہ بچپن میں ہی وصال فرما گئے مگر آپ ﷺ کے ان سے تعلق کے بہت سے مظاہر سیرت کی کتب میں محفوظ ہیں۔ علاوہ ازیں سیدہ کائنات حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا اور آپ ﷺ کا اپنے نواسے و نواسیوں بالخصوص حسنین کریمین رضی اللہ عنہما سے الفت و محبت کے بہت سے فرامین اور واقعات ہمارے سامنے موجود ہیں۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیا۔ اس وقت آپ ﷺ کے پاس اقرع بن حابس تمیمی بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے کہا کہ میرے دس لڑکے ہیں، میں نے ان میں سے کسی کو بھی نہیں چوما۔ آپ ﷺ نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ جو رحم نہیں کرتا (اس پر) رحم نہیں کیا جاتا۔

(صحیح بخاری، کتاب الادب، باب رحمۃ الوالد وتقبیلہ)

آپ ﷺ کا اولاد اور بچوں سے تعلق کا یہ پہلو جامع نوعیت کا ہے۔ آپ ﷺ نے صرف ان سے محبت کا اظہار ہی نہیں کیا بلکہ ہمہ وقت ان کی تربیت کا بھی اہتمام کرتے اور ان کے معمولات و معاملات کی نہایت کڑی نگرانی بھی فرماتے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی محبوب ترین صاحبزادی ہیں لیکن اس محبت کے باوجود بھی آپ ﷺ نے انھیں دنیاوی نعمتوں کی فراہمی کے حوالے سے دیگر صحابہ و صحابیات پر ترجیح نہیں دی۔ چکی پیس پیس کر ان کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے اور گھر کا تمام کام تنہا کرتیں اور مشقتیں اٹھاتی تھیں۔ ایک بار جب آپ ﷺ سے گھر کے کام کے لیے کنیز کی خواہش کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ یہ فقراء و یتیموں کا حق ہے۔

ایک بار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو سونے کا ہار دیا۔ آپ ﷺ کو علم ہوا تو فرمایا کہ اے فاطمہ! کیا تم لوگوں سے یہ کہلوانا چاہتی ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی کے ہاتھ میں آگ کی زنجیر ہے۔ یہ سن کر انھوں نے وہ ہار بیچ دیا۔ آپ ﷺ کو جب اس امر کی اطلاع ملی تو فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے فاطمہ کو آگ سے نجات دی۔

(سنن نسائی، کتاب الزینۃ، باب کراہیۃ النساء فی اظہار الحلی والذہب)

ایک بار آپ ﷺ کی کسی سفر سے واپسی کی خوشی میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دروازے پر پردہ لٹکا دیا اور امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو چاندی کے کنگن پہنا دیئے۔ آپ ﷺ جب تشریف لائے تو یہ معاملہ دیکھ کر واپس ہوگئے۔ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو جب آپ ﷺ کی ناراضگی کا علم ہوا تو آپ رضی اللہ عنہا نے پردہ فوراً پھاڑ دیا اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں سے کنگن اتار دیے۔ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما روتے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ میرے اہلِ بیت ہیں، میں نہیں چاہتا کہ میرے اہل بیت دنیاوی لذتوں سے آلودہ ہوں۔

(سنن نسائی، کتاب الزینۃ، باب کراہۃ النسآء فی اظہار الحلی والذھب)

افسوس کہ آج ہمارے ہاں اس پہلو کو یکسر نظر انداز کیا جاتا ہے۔ والدین خصوصاً والد روزگار کے امور میں اس قدر مصروف ہیں کہ انہیں اپنی اولاد کی تربیت کے پہلو پر توجہ دینے کی فرصت ہی نہیں۔ یہ بھی عام مشاہدہ ہے کہ والد کی بعض صورتوں میں تو کئی کئی روز بچوں سے ملاقات ہی نہیں ہوتی۔ والدین کی نظر آج اولاد کے حوالے سے صرف یہ ہے کہ وہ کسی طرح اعلیٰ تعلیمی ڈگریاں لیں اور پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے یا ملازمت اور کاروبار کے لیے بیرون ملک چلے جائیں۔ آج والدین کے ہاں اولاد کے لیے حقیقی تعلیمی قابلیت کی خواہش کا عنصر بھی ختم ہو چکا ہے۔ اب ان کی دلچسپی محض اچھے نمبروں کے حصول اور جائز و ناجائز ہر صورت میں اعلیٰ مناصب تک اُنھیں پہنچانے کی حد تک رہ گئی ہے۔ یہ سب اسوۂ مصطفی ﷺ سے لاعلمی اور ناواقفیت کا نتیجہ ہے اور اس سلسلے میں والدین اپنے فرائض ادا نہ کر کے سخت گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ یاد رکھیں کہ اولاد کی جسمانی نشو و نما کے ساتھ ساتھ ان کی دینی و دنیاوی تعلیم اور تربیت بھی والدین کے اولین فرائض میں شامل ہے۔ ایک ایسی تعلیم و تربیت کا اہتمام جو انھیں دنیا کے ساتھ ساتھ اخروی کامیابی سے بھی ہمکنار کر سکے۔

۴۔ رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی

گھریلو زندگی کا ایک اور اہم پہلو اہلِ قرابت کے ساتھ تعلق پر مبنی ہے۔ اہل قرابت میں وہ تمام رشتہ دار شامل ہیں جو کسی بھی رشتہ کی رو سے بندے سے قرابت رکھتے ہوں اور پھر ان میں سے جو جس قدر قریب ہوگا، اسی قدر وہ ہمارے حسنِ سلوک کا مستحق ہوگا۔ دینِ اسلام تمام رشتہ داروں کو ایک دوسرے کا دلی خیر خواہ، ہمدرد، مددگار اور غم و خوشی میں ان کے ساتھ کھڑا ہوا دیکھنا چاہتا ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر رشتے داروں سے حسنِ سلوک کا حکم دیا گیا ہے اور احادیث مبارکہ میں صلہ

رحمی کی بار بار تاکید فرمائی گئی ہے۔ اسلام نے خون کے رشتوں کو حرمت عطا کرنے اور ان کا احترام قائم رکھنے کے لیے بہت سے اقدامات کیے ہیں۔ اہلِ قرابت کے ساتھ حسنِ سلوک اللہ تعالیٰ کے ان خاص احکام میں سے ہے جن کا انسان سے عہد لیا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ۔

”اور (یاد کرو) جب ہم نے اولادِ یعقوب سے پختہ وعدہ لیا کہ اللہ کے سوا (کسی اور کی) عبادت نہ کرنا، اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔“ (البقرہ، ۲: ۸۳)

آپ ﷺ زندگی کے دوسرے معاملات کی طرح رشتہ داروں کے حوالے سے بھی حقوق و فرائض کو توازن کے ساتھ قائم کرنے کی تاکید فرماتے اور خود بھی اس پر عمل پیرا ہو کر دکھاتے تھے۔ آپ ﷺ نے تبلیغ اسلام کے آغاز میں ہی لوگوں کو صلح جوئی اور صلح رحمی کی تاکید کی۔ یہ آپ ﷺ کی کاوشوں ہی کا نتیجہ تھا کہ دنیائے عرب جو آپ سے قبل اختلافات، فسادات اور لڑائیوں میں بر سر پیکار تھی، امتِ واحدہ میں تبدیل ہو گئی۔ آپ ﷺ نے اپنے قول و عمل کے ساتھ گروہی تعصبات، قبائلی منافرتوں اور خاندانی اختلافات کو دور کیا اور اہلِ قرابت میں بھائی چارے کو فروغ دیتے ہوئے رشتہ داروں کے باہمی تعلقات کو مستحکم فرمایا۔

آپ ﷺ نے اپنے اعزا و اقربا کے ساتھ بھی حسنِ سلوک پر مبنی بے مثال طرزِ عمل اختیار کیا۔ آپ ﷺ نے اپنی دعوت کا آغاز ہی میں اپنے رشتے داروں سے کیا اور ان کے نام لے لے کر ان تک اسلام کا پیغام پہنچایا۔ نتیجتاً جب آپ ﷺ پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے اور طرح طرح کی ظلم کیے گئے تو تب بھی آپ ﷺ نے جوابی کارروائی کے طور پر کوئی ایسا اقدام نہ کیا جن سے مشرکینِ مکہ اور آپ ﷺ کے وہ قریبی عزیز جو آپ ﷺ کی مخالفت میں پیش پیش تھے، انھیں کوئی نقصان اٹھانا پڑتا۔

جب یمن کے سردار ثمامہ نے ایمان لانے کے بعد اہلِ مکہ کو غلے کی فراہمی بند کر دی تو اہلِ مکہ نے آپ ﷺ سے درخواست کرتے ہوئے آپ کو یہی لکھا کہ آپ تو صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں، ہم آپ کے رشتے دار ہیں، آپ ﷺ ثمامہ سے کہہ کر ہمارا غلہ بحال کروا دیں۔ آپ ﷺ نے ان کی درخواست قبول کی اور حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کو اہلِ مکہ کا غلہ بحال کرنے کا حکم دیا۔

(سیرتِ حلبیہ، ۳: ۱۷۲)

غزوۂ بدر کے موقع پر جو قیدی گرفتار ہو کر مدینہ منورہ لائے گئے، ان میں آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ ان تمام قیدیوں کو باندھ کر رکھا گیا تھا۔ رات کو رسی اور زنجیروں کی سختی کے سبب حضرت عباس کے کراہنے کی آواز آپ ﷺ نے سنی تو آپ ﷺ بے قرار ہو گئے۔ صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم کے پوچھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بے قراری کا سبب بیان فرمایا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زنجیریں کھولنے کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع پر بھی صرف انہیں یہ سہولت دینے کے بجائے تمام قیدیوں کی زنجیریں کھولنے کا حکم دیا۔ (حلبی، ۲:۴۵۸)

اسی طرح فتح مکہ کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چچا زاد بہن اور حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے ابن ہبیرہ کو پناہ دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ وہ اس کو قتل کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا:

قد اجرنا من اجرت یا ام ھانی۔

(صحیح بخاری، کتاب الجھاد، باب امان النساء وجوار ھن)

اے ام ہانی جسے تم نے پناہ دی، اسے ہم نے بھی پناہ دی۔

گھریلو زندگی کے اس اہم پہلو اور تعلق کے حوالے سے اگر ہم اپنے احوال پر نگاہ دوڑائیں تو ہمیں کسی اعتبار سے بھی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی نسبت معلوم نہیں ہوتی۔ رشتے داروں سے ہمارے تعلقات کی قطعاً وہ نوعیت نہیں ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ہونے کی حیثیت سے ہونی چاہیے۔ ہم تو معمولی باتوں کی وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قطع تعلقی کر لیتے ہیں۔ رشتے داروں سے بدگمانی اور بدظنی یا اپنے مزاج کے خلاف اُن سے کوئی بات سن لیں تو تمام تعلقات اور خونی رشتوں کو یکسر فراموش کر دیتے ہیں اور رشتہ داروں کی غیبت، الزام تراشی اور اس طرح کی تمام برائیوں سے اپنے نامہ اعمال کو آلودہ کرتے رہتے ہیں۔ محض اپنے حقوق کا رونا روتے رہنا اور اپنے اوپر عائد ہونے والے فرائض کو ادا نہ کرنا ہمارا روزمرہ کا معمول بن چکا ہے۔ یاد رکھیں کہ اہلِ قرابت کے ساتھ صلہ رحمی کا تعلق اللہ تعالیٰ کا قائم کیا ہوا ہے اور اس کو عزت و حرمت بھی اللہ ہی کی جانب سے عطا ہوئی ہے۔ یہ تعلقات اللہ کا انعام ہیں، اس لیے اس حوالے سے کوتاہی، لاپرواہی اور تساہل برتنا کفرانِ نعمت قرار پاتا ہے اور اس حوالے سے ہمیں بروز قیامت جوابدہ ہونا پڑے گا۔

خلاصۂ کلام

اسلام کے معاشرتی نظام میں ہر پہلو اپنے اپنے مقام پر نہ صرف مکمل ہے بلکہ ایک دوسرے سے باہم مربوط بھی ہے۔ اسلام میں گھریلو زندگی کے نظام کے تمام پہلو بھی آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ انسان اپنے گھریلو امور کو اس انداز کے ساتھ انجام دے کہ اس کے نتیجے میں کسی کی بھی حق تلفی نہ ہو۔۔ اس کے والدین، بیوی، بچے اور رشتہ دار تک کو اس سے شکایت نہ ہو۔ یہ سب کردار و اخلاق اسی صورت ہم میں پیدا ہو سکتا ہے، جب ہمارے سامنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوۂ حسنہ کامل صورت میں

موجود ہو گا اور ہم اس پر دل و جان سے عمل پیرا ہونے کا عہد لیے ہوئے ہوں گے۔

اس مقصد کے حصول کے لیے اسلام انسان کے اندر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور جوابدہی کا تصور پیدا کرتا ہے کہ ہر شخص اپنے کیے کا خود ہی ذمہ دار ہے۔ اپنی اچھائیوں کا اجر بھی اسے ہی نصیب ہو گا اور اپنی کوتاہیوں اور برائیوں کا خمیازہ بھی خود ہی بھگتنا ہو گا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا۔ (حم السجدہ: ۴۶)

” جس نے نیک عمل کیا تو اُس نے اپنی ہی ذات کے (نفع کے) لیے (کیا) اور جِس نے گناہ کیا سو (اُس کا وبال بھی) اسی کی جان پر ہے۔“

حضور نبی اکرم ﷺ نے اس بات کو یوں بیان فرمایا:

کلکم راع وکلکم مسئول عن رعيته۔

(صحیح بخاری، کتاب الصلاة، باب الجمعة فی القری والمدن)

تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں باز پرس ہو گی۔

ہمارے گھریلو معاملات اور آپس کی رنجشیں اور ناچاقیاں اسوۂ حسنہ اور تعلیمات نبوی ﷺ سے رو گردانی کے سبب ہیں۔ انسان اپنے گھر کو اپنے لیے جائے امن اور مقامِ راحت و اطمینان بنانا چاہتا ہے لیکن جب گھر کا نظام درست نہج پر استوار نہیں رہتا تو وہ ذہنی، قلبی، نفسیاتی اور جسمانی طور پر مسائل و مشکلات کا شکار ہوتا چلا جاتا ہے۔ لہٰذا ہم سے ہر ایک شخص کو چاہیے کہ وہ اسوۂ نبوی ﷺ کی روشنی میں اپنے معاملات، طرزِ عمل، رویوں اور مزاج کا از سر نو جائزہ لے اور اپنی ان کوتاہیوں اور خامیوں پر قابو پانے کی کوشش کرے جن کا وہ شکار ہے۔ اس لیے کہ:

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى۔ (النجم: ۳۹)

” اور یہ کہ انسان کو (عدل میں) وہی کچھ ملے گا جس کی اُس نے کوشش کی ہو گی (رہا فضل اس پر کسی کا حق نہیں وہ محض اللہ کی عطا و رضا ہے جس پر جتنا چاہے کر دے)۔“

اسوۂ حسنہ ہمارے لیے بہترین مشعلِ راہ ہے، جو نہ صرف ہدایات کا ایک مکمل پیکج ہے بلکہ آپ ﷺ نے اپنے عمل کی صورت میں ہمیں مکمل راہنمائی بھی عطا فرمائی ہے۔ آپ ﷺ کی سیرتِ مطہرہ ہماری زندگی کے چھوٹے چھوٹے معاملات کے حوالے سے بھی ہماری رہنمائی کرتی ہے، لہٰذا ہمیں اس در پر حصولِ ہدایت و نجات کے لیے سوالی بننا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کی روشنی میں زندگی کے ہر پہلو کو بسر کرنے اور اسوۂ حسنہ پر صحیح معنی میں عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

تقلیدِ فقہی حقیقت و نوعیت اور ضرورت

مولانا یٰسین اختر مصباحی

حضرت آدم علیہ السلام سے پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تک دین اسلام ایک ہی ہے اور یہی دین اسلام قیامت تک کے لیے اللہ کا محبوب اور منتخب دین ہے۔ ہر صاحبِ شریعت پیغمبر کو اللہ نے جس شریعتِ مطہرہ سے نوازا، وہ بعد میں اختلافِ زمان و مکان کی وجہ سے مشیتِ الٰہی کے مطابق تغیر پذیر ہوتی رہی جبکہ شریعتِ محمدیہ ﷺ کو اس نے یہ امتیاز و اختصاص بخشا ہے کہ اس کے بعد اب کوئی شریعتِ جدیدہ نہیں اور یہی شریعتِ محمدی اپنے کمال و جامعیت کی بنیاد پر جہاں مسلمانانِ عالم کے لیے واجب الاتباع ٹھہری، وہیں اپنی زندگی و تابندگی اور تازگی و شادابی کے لحاظ سے بقائے دوام کی خلعت سے بھی سرفراز ہوئی۔

کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ دینِ اسلام کی مذہبی و علمی اور عملی تعبیر و تشریح ہیں۔ یہ عقائد و مبادی اور احکام و مسائل کے سرچشمے ہیں اور پیغمبر اسلام جناب محمد رسول اللہ ﷺ جملہ احوال و قضایا اور شعبہ ہائے حیات میں اسوہ و قدوہ اور نمونہ کامل ہیں جن کا ہر قول و فعل و عمل صحابہ کرام اور قیامت تک کی امتِ مسلمہ کے لیے دلیل و حجتِ شرعی ہے۔

سنتِ رسول کے ساتھ سنتِ خلفائے راشدین کی اطاعت و اتباع ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعتِ مبارکہ بھی عدول و مقتدائے شریعت و امت ہے جس پر آیات و احادیث کی

بے شمار ہدایات ناطق و شاہد ہیں اور ساری امت مسلمہ کا اسی کے مطابق اعتقاد و عمل ہے اور اسی پر اس کا اجماع بھی ہے۔ اس سفینہ نوح پر جو سوار ہوا وہ ساحلِ مراد کو پہنچا اور جس نے ان نجومِ ہدایت کی روشنی میں اپنا سفرِ حیات شروع کیا، وہ کامیابی و کامرانی کے ساتھ اپنی منزلِ مقصود سے ہمکنار ہوا۔

تعقل، تفکر اور تدبر اہلِ اسلام کے لیے بموجب ہدایات و ارشاداتِ کتاب و سنت ہر عہد و قرن میں ضروری ہے اور ان کا یہ دینی و شرعی و اجتماعی فریضہ ہے کہ اسرار و رموزِ حیات و کائنات میں غور و خوض کرکے ان کی گتھیاں سلجھائیں اور انسانی معاشرہ کی صلاح و فلاح کے لیے وہ تمام تر تدابیر بروئے کار لائیں جن کی انہیں کچھ بھی ضرورت و حاجت محسوس ہو اور بنی نوع انسان کے حق میں کسی بھی جہت سے جس امرِ مطلوب کی کوئی بھی افادیت و اہمیت متصور ہو۔ لیکن تحقیق و تفحص و اکتشاف و ایجاد اور اقدام و عمل کے ہر مرحلے میں قدم قدم پر اس کی رعایت اور اس کا التزام ہر مسلمان کے اوپر واجب ہے کہ اسلام و شریعتِ مطہرہ نے جو اصول و قواعد و ضوابط مقرر فرما دیے ہیں اور جو ہدایات جاری فرمادی ہیں، ان کی کسی طرح خلاف ورزی نہ ہو اور الحاد و اعتزال و انحراف و ضلال و تجاوز و خروج سے اپنے آپ کو ہر قیمت پر محفوظ رکھا جائے۔

مہد سے لحد تک عقائد و عبادات و معاملات کے جو دائرے اسلام و شریعتِ مطہرہ نے متعین کر دیئے ہیں، ان کی پابندی فرض شرعی ہے اور پیغمبر اسلام ﷺ و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اطاعت و اتباع سے کسی مسلمان کو کسی حال میں مفر نہیں۔ اسی طرح کتاب و سنت سے ثابت و واضح احکام و مسائل میں کسی کی ذاتی رائے اور قیاس آرائی کا کوئی دخل نہیں۔ نہ ہی ان کے اندر کسی بڑے سے بڑے عالم و فقیہ و مجتہد کو مجال دم زدن و جرأت این و آں و جسارتِ چنیں و چناں کی کوئی گنجائش ہے۔

کتاب و سنت سے ثابت اور منصوص احکام میں تقلید کا کوئی جواز نہیں اور نہ عہدِ رسالت و عہدِ صحابہ میں زمانہ مابعد کی اصطلاحی تقلید فقہی کا نام تھا اور نہ ہی اس کی کوئی ضرورت تھی۔ کیونکہ ان کے اقوال و اعمال براہِ راست وحی ربانی اور مشکوٰۃ نبوت سے مستنیر ہوا کرتے تھے۔ ہاں! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مراتب و مدارجِ علم و فہم متفاوت تھے اس لیے اعلم و افقہ صحابہ کبار سے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسائلِ شرعیہ میں رجوع کیا کرتے تھے اور ان کے بیان کردہ احکام و مسائل کے مطابق عمل کیا کرتے تھے۔ اعلم و افقہ کی طرف رجوع و سوال کا حکم خود رب کائنات نے دیا ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم ارشاد فرماتا ہے:

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (النحل: ۴۳)

”سو تم اہلِ ذکر سے پوچھ لیا کرو اگر تمہیں خود (کچھ) معلوم نہ ہو۔“

اور تفقہ کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ۔ (التوبۃ،9: 122)

’’اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سارے کے سارے مسلمان (ایک ساتھ) نکل کھڑے ہوں تو ان میں سے ہر ایک گروہ (یا قبیلہ) کی ایک جماعت کیوں نہ نکلے کہ وہ لوگ دین میں تفقّہ (یعنی خوب فہم و بصیرت) حاصل کریں اور وہ اپنی قوم کو ڈرائیں جب وہ ان کی طرف پلٹ کر آئیں تاکہ وہ (گناہوں اور نافرمانی کی زندگی سے) بچیں۔‘‘

پیغمبر اسلام ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

انما شفاء العی السوال۔ (ابوداؤد)

مرضِ جہل کا علاج سوال ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو دعا دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اللھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل۔

اے اللہ! انھیں دین کی فقاہت اور تفسیر و تاویل کا علم عطا فرما۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بارگاہ رسول ﷺ کی نوکری اور کثرتِ اکتساب کی وجہ سے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اپنی دینی بصیرت اور تفقہ کے باب میں امتیازی شان کے مالک تھے۔ یہاں تک کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

لا تسئلونی ما دام ھذا الحبر فیکم۔ (مشکوۃ بروایت بخاری)

جب تک یہ عالم وفقیہ تمھارے درمیان موجود ہیں، اس وقت تک مجھ سے نہ پوچھو۔

کتاب و سنت اصل مصادرِ شریعت ہیں اور انہیں کی روشنی میں قیاسِ مجتہد کو بھی علما وفقہائے اسلام نے مصادرِ شریعت میں شمار کیا ہے جس کی تائید مندرجہ ذیل حدیث نبوی سے ہوتی ہے:

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو حاکم یمن بنا کر رسول اللہ ﷺ نے بوقتِ روانگی سوال فرمایا کہ تمھارے پاس کوئی معاملہ فیصلہ کے لیے لایا جائے گا تو کیسے فیصلہ کرو گے؟ حضرت معاذ نے عرض کیا کہ کتاب اللہ سے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر اس میں نہ پاؤ تب کیا کرو گے؟ عرض کیا کہ سنتِ رسول سے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر اس میں بھی نہ پاسکو تب کس طرح فیصلہ کرو گے؟ اس وقت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

اجتھد برائی ولا آلو۔ قال فضرب رسول اللہ ﷺ علی صدرہ وقال الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ لما یرضی بہ۔ (ابواب الاحکام للجامع الترمذی)

اس وقت میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے معاذ بن جبل کے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے ارشاد فرمایا: اللہ کا حمد و شکر ہے جس نے رسول اللہ کے قاصد کو اس کی توفیق دی جس سے اس کے رسول (ﷺ) راضی ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کی حیاتِ ظاہری کے بعد لا تجتمع امتی علی الضلالۃ اور دیگر ارشادات کی روشنی میں عہدِ تابعین و تبع تابعین ہی میں علما و فقہائے اسلام نے اجماعِ امتِ مسلمہ کو بھی مصادر شریعت میں شامل کرلیا۔ اس طرح کتاب اللہ، سنت رسول، قیاس شرعی اور اجماعِ امت، چار مصادر شریعت (ادلۂ اربعہ) قرار پائے اور سوادِ اعظم نے فقہا و مجتہدینِ امت کے علم و فضل، ان کی دینی و ایمانی فہم و فراست، ان کی دیدہ وری و نکتہ رسی، ان کے ورع و تقویٰ، ان کے حزم و احتیاط اور ان کی خداترسی و مآل اندیشی پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے وضع کردہ اصول و ضوابط و کلیات و جزئیات کو جملہ احکام و مسائلِ غیر منصوصہ میں حرزِ جاں بنایا اور درجہ بہ درجہ و عہد بہ عہد انہیں قبول کرتے اور ان کے مطابق عمل کرتے چلے آرہے ہیں کہ یہی ہدایتِ صراط مستقیم و اتباعِ سبیل مومنین اور ادوارِ مابعد کی اصطلاحی تقلیدِ ائمہ مجتہدین ہے۔

مختلف علوم و فنون کی طرح رفتہ رفتہ فقہ اسلامی کے بھی اصول و قواعد مرتب ہوتے گئے اور تفصیلی دلائل کے ساتھ احکام شریعہ فرعیہ کے جاننے کو علمِ فقہ کہا جانے لگا اور یہ اصطلاحی تعریف کی گئی کہ:

العلم بالقواعد الکلیة التی یتوصل بها الی استنباط الاحکام الشرعیة العملیة من ادلتها التفصیلیة۔

کتاب و سنت کی روشنی میں مقاصدِ شریعت یعنی حفظِ دین و نفس و نسل و عقل و مال، ان فقہا و مجتہدین کا مطمع نظر ہے اور ان کی ساری کد و کاوش اسی محور کے گرد ہمیشہ گردش کرتی رہی ہے۔ مجتہدین کے سبھی طبقات؛ مجتہدین فی الشریعہ، مجتہدین فی المذہب، مجتہدین فی المسائل، اصحابِ تخریج، اصحاب ترجیح اور اصحابِ تمیز نے انہیں مقاصدِ شریعت کی تکمیل کی راہ میں اپنی دینی و علمی و فکری و اجتہادی توانائیاں صرف کیں اور اپنی عمر عزیز کو اسی تفقہ و اجتہاد کے لیے واقف کردیا۔ تمام مجتہدین حقیقی طور پر مجتہدین فی الشریعہ کے مقلدِ فقہی قرار پاتے ہیں اور انھیں کی طرف ان سب مجتہدین اور دیگر مقلدین کا انتساب ہوتا ہے۔

استخراجِ مسائلِ شریعہ کا کام اب بھی جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گا کہ یہ شریعت جاوداں اور پیہم رواں دواں ہے اور ہر عہد و عصر کے مسائل و قضایا کو حل کرنے کی اس کے اندر بھرپور صلاحیت موجود ہے مگر المیہ یہ ہے کہ آج آخری درجۂ اجتہاد کے حاملین یعنی اصحابِ تمیز کا ملنا بھی مشکل ہوگیا ہے۔ باب اجتہاد بند نہیں ہوا ہے مگر اس کا اہل بھی تو کوئی ہو؟ تعبیر کی غلطی سے اچھے خاصے حضرات کہتے نظر

آتے ہیں کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا ہے تو موجودہ علما کو بھی اجتہاد کرنا چاہیے۔ اس سے ان کا مقصد اس کے سوا عموماً کچھ نہیں ہوتا کہ نئے حالات و مسائل کا شریعت کی روشنی میں کوئی حل ڈھونڈنا چاہیے۔ ان کی یہ خواہش صدفی صد درست ہے مگر انہیں چاہیے کہ لفظِ اجتہاد کی بجائے لفظِ استخراج کا استعمال کریں تاکہ ان کا لفظ ان کی بات اور ان کا مافی الضمیر صحیح طور پر اور صحیح تناظر میں واضح ہو سکے۔

> عقائد و عبادات اور معاملات کے جو دائرے شریعت مطہرہ نے متعین کر دیئے ہیں اُن کی پابندی فرض ہے

مذکورہ طبقات میں سے کسی طبقہ میں بلکہ آخری طبقہ (اصحاب تمیز) میں بھی کسی موجودہ عالم و مفتی و فقیہ کے شامل نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ طبقہ مقلدین میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اور ان کے لیے تقلیدِ فقہی ہر حال میں واجب ہے۔ کیونکہ یہ حقیقت روشن ہے کہ جو شخص مجتہد نہیں وہ مقلد ہے اور تقلید ہی میں اس کے لیے عافیت اور راہِ نجات ہے۔

جو شخص علمِ طب سے واقف نہیں وہ طبیب نہیں اور جو علم سے نابلد ہے وہ عالم نہیں۔ یہ بات ایک عام آدمی بھی اچھی طرح سمجھتا ہے۔ سمندر کے اندر موتیوں کی کمی نہیں ہوتی ہے مگر انہیں سمندر کی تہہ سے باہر وہی شخص نکال سکتا ہے جو ماہر غوطہ خور ہو۔ ورنہ جسے غوطہ خوری نہ آتی ہو، وہ موتیوں کی طلب میں سمندر کے اندر چھلانگ لگا کر اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے گا۔

تقلید فقہی کا تعلق صرف ابوابِ فقہ سے ہے اور احکام و مسائل غیر منصوصہ میں ہی اس کا وجود و وجوب ہے۔ باقی علوم و فنون اسلامیہ و عربیہ اور عصری علوم و فنون میں ہر عالم و محقق کو اپنی استعداد و لیاقت و صواب دید کے مطابق جو کچھ کرنا چاہیے اور جس شعبہ علم و فن میں آگے بڑھنا چاہیے، اس کے لیے کوئی روک ٹوک نہیں۔ وہ ڈاکٹری، انجینئرنگ، سائنس وغیرہ میں اعلیٰ سے اعلیٰ تحقیق و ریسرچ کرے اور اونچے سے اونچے درجہ پر فائز ہو تو یہ اس کی بڑی کامیابی اور قابلِ رشک ترقی ہے جس پر علما و فقہائے اسلام کی جانب سے کوئی قدغن اور کوئی پابندی نہیں۔ بس صرف اتنی شرط ہے کہ حدودِ شریعت سے اس کے قدم آگے نہ بڑھنے پائیں۔

لغوی طور پر اپنی گردن میں قلادہ ڈالنے کو تقلید کہا جاتا ہے جب کہ اصطلاحی طور پر تقلید فقہی کی تعریف یہ ہے کہ احکام و مسائل شریعہ غیر منصوصہ میں کسی امام مجتہد کی تحقیق کو بلا دلیل و حجت مان

لینے کا نام تقلید ہے۔ چنانچہ علمائے متقدمین نے صراحت و ضاحت کے ساتھ اپنی مستند کتب و رسائل میں یہی بات تحریر فرمائی ہے۔

ظاہر ہے کہ جو عالم مجتہد نہیں ہوگا وہ مقلد ہی ہوگا اور اسے تقلید فقہی کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ جس طرح مختلف علوم و فنون کے ماہرین اپنے علم و فن کے تعلق سے جو تحقیق بیان کریں، وہ ان کی علمی و فنی تحقیق کا نتیجہ ہوتا ہے جسے دنیا کے کروڑوں انسان بلا چون و چرا تسلیم کرتے ہیں اور کوئی جاہل و عامی شخص اگر کج بحثی پر آمادہ ہوتا ہے تو اسے ہر عاقل انسان ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اسی طرح صدیوں پیشتر کے جلیل القدر علما و فقہائے اسلام بھی تقلیدِ فقہی کے قائل اور اس پر عامل تھے، جن کی عظمت و فضیلتِ دینی و علمی پر شرق و غرب کے مسلمان متفق ہیں۔ عالم اسلام کے بڑے بڑے علما و فقہا و فضلا کا اگر آج جائزہ لیا جائے تو ان میں ایسے افراد و اشخاص صحیح معنوں میں نادر الوجود ہیں جنھیں کلیات و جزئیات فقہ پر عبور ہو اور بڑے بڑے دار الافتاء کے نامور مفتیانِ کرام بھی معروف دلائلِ تفصیلیہ کے بعد اجرائے فتویٰ کرنے والے اصحاب فتویٰ نہیں ہیں بلکہ ان کی حیثیت ناقلینِ فتاویٰ سے زیادہ نہیں ہے۔

ائمہ مجتہدین فی الشریعہ یعنی امام ابو حنیفہ و امام شافعی و امام مالک و امام احمد بن حنبل رحمھم اللہ کے مرتبہ و مدون فقہی اصول و ضوابط اور ان کی تاصیل و تفریع کو اسلامی بلاد و امصار میں شروع ہی سے اتنا شرف قبول حاصل ہوا کہ سوادِ اعظم نے انھیں میں سے کسی ایک کی تقلیدِ فقہی پر اتفاق کر لیا اور تقریباً ایک ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ گزرا کہ اسی پر اس کا اجماع بھی ہو گیا۔ ما رآہ المسلمون حسنا فھو

عنداللہ حسن۔ (اثر ابن مسعود) کا یہ ایک بہترین نمونہ اور جلوۂ حق نما ہے جس کے اندر سوادِ اعظم کا اصل چہرہ صاف عیاں اور ہر طرح نمایاں ہے۔

چودھویں صدی ہجری کے ایک عظیم و جلیل فقیہ و مفتی مگر مقلدِ حنفیت کی زبانی فقہ اسلامی کی حقیقت سن کر اور اسے سمجھ کر قارئین کرام بھی اسی حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہوں گے کہ اجتہاد تو بڑی چیز ہے آج کل تفقہ بھی ایک جنس نایاب سے کم نہیں ہے۔ فقاہت کیا چیز ہے اور تفقہ فی الدین کب حاصل ہوتا ہے؟ اس کے بارے میں فقیہ اسلام امام احمد رضا بریلوی رقمطراز ہیں:

> شریعت جاوداں اور پیہم رواں دواں ہے، استخراجِ مسائلِ شریعہ کا کام جاری ہے اور جاری رہے گا

”فقہ یہ نہیں کہ کسی جزئیہ کے متعلق کتاب سے عبارت نکال کر اس کا لفظی ترجمہ سمجھ لیا جائے۔ یوں تو ہر اعرابی ہر بدوی فقیہ ہوتا کہ ان کی مادری زبان عربی ہے بلکہ فقہ بعد ملاحظہ اصولِ مقررہ، و ضوابطِ محررہ، وجوہِ تکلم، وطرقِ تفاہم، وتنقیحِ مناط، ولحاظ انضباط، و مواضع یسر واحتیاط، و تجنب تفریط و افراط، وفرق روایات ظاہرہ ونادرہ، و تمییز درایات غامضہ و ظاہرہ، و منطوق و مفہوم صریح و محتمل، و قول بعض و جمہور و مرسل و معلل، و وزن الفاظ مفتین، و سبر مراتب ناقلین، و عرف عام و خاص، و عادات بلاد و اشخاص، و حال زمان و مکان، و احوالِ رعایا و سلطان، و حفظ مصالح دین، و دفع مفاسد مفسدین، و علم وجوہ تجریح، و اسباب ترجیح، و مناہج توفیق، و مدارک تطبیق، و مسالک تخصیص، و مناسک تقیید، و مشارع قیود، و شوارع مقصود، و جمع کلام، و نقد مرام، و فہم مراد کا نام ہے۔

یہ تطلع تام، و اطلاع عام، و نظر دقیق، و فکر عمیق، و طول خدمت علم، و ممارست فن، و تیقظ وافی، و ذہن صافی، معتاد تحقیق، موید بتوفیق کا کام ہے۔ حقیقتاً وہ ایک نور ہے جو رب عزوجل بمحض کرم اپنے بندہ کے قلب میں القا فرماتا ہے:

وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيۡنَ صَبَرُوۡا وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوۡحَظٍّ عَظِيۡمٍ۔ (فصلت، ۴۱: ۳۵) ابانۃ المتواری (۱۳۳۱) مطبوعہ بریلی)

آج جو لوگ فقہائے اسلام سے بے نیاز ہو کر اجتہاد کے دعویدار ہیں، ان کا جائزہ لیجیے تو مذکورہ مراتب و مدارج تو کجا، صحیح عربی دانی کے حامل بھی نہ ملیں گے۔ چند مشکل آیات واحادیث اور اشعارِ

عرب پیش کر کے دیکھئے، صحیح ترجمہ و تفہیم سے بھی قاصر نظر آئیں گے۔

فقہا و مجتہدینِ اسلام کے احکام اجتہادیہ اور مسائلِ مستنبطہ میں اگر اختلافِ زمان و مکان اور ضرورت و حاجت وغیرہ کی بنیاد پر تغیر و تبدل کیا جائے تو ایسا کرنا روا ہے مگر اس کے لیے مشق و ممارست اور درک مہارت رکھنے والے فقہائے اسلام ہی ماذون و مجاز ہیں اور یہ کام نہ ہر کس و ناکس کا ہے اور نہ عام علما و مفتیان کرام کا ہے۔

جو حضرات تقلید فقہی کو غیر ضروری بلکہ باطل قرار دیتے ہیں، اُن میں سے ایک طبقہ تو مذہبی پہچان رکھتا ہے مگر دوسرا طبقہ جدید تعلیم یافتہ مگر علمِ دین سے نابلد افراد کا ہے۔ یہ لوگ اپنی تجدد پسندی اور روشن خیالی کے زعم میں ایسی باتیں کر جاتے ہیں جو سنجیدہ کم اور مضحکہ خیز زیادہ ہوتی ہیں اور علم و بصیرت و فقہ و افتا سے ان کی دوری و ناآشنائی ان کے ایک ایک جملہ سے عیاں ہوتی رہتی ہے۔ اس طرح کے افراد ائمہ مجتہدین پر طعن و تشنیع اور سوادِ اعظم کی تنقید و مذمت کر کے اختلاف و انتشارِ امت و ملت میں اضافہ کا سبب بننے کے سوا کچھ اور نہیں بن سکے ہیں۔

عام مسلمانوں کو ہر مسئلہ شرعیہ میں کسی عالمِ دین کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے اور یہی حال عام علمائے کرام کا بھی ہے کہ انھیں جزئیات فقہ پر مشتمل ان کتب کے مطالعہ پر اکتفا کرنا پڑتا ہے جو مقلد علما و فقہا ہی نے تحریر فرمائی ہیں۔ معدودے چند حضرات جو براہِ راست اور ہمہ وقت فقہ و افتا سے وابستہ رہتے ہیں۔ ان کا جائزہ لینے پر آخری طبقہ مجتہدین یعنی اصحابِ تمیز میں انھیں شمار کیا جانا بھی اتنا مشکل اور دِقت طلب امر ہے کہ جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ ایسی صورت میں سوادِ اعظم اور ان کے موجودہ علما و فقہائے صغار و کبار، اگر تقلیدِ فقہی کو اپنے حق میں لازم و واجب سمجھتے ہیں تو یہ ان کی عین سعادت و سلامت روی ہے اور اسی میں امتِ مسلمہ کے لیے خیر و برکت و امن و عافیت و صلاح و فلاح بھی ہے۔ اس لیے سوادِ اعظم کو اسی جادۂ اعتدال و صراط مستقیم پر ہمیشہ گامزن رہنا چاہیے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

اتبعوا السواد الاعظم فانه من شذ شذ فی النار۔ (ابن ماجہ)

سوادِ اعظم کی پیروی کرو کیونکہ جو اس سے الگ ہوا وہ جہنم میں گیا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہم اھل سنت و جماعت کو اپنے رسول اکرم ﷺ و خلفائے راشدین و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت کی اطاعت و اتباع اور ائمہ مجتہدین کے نقوشِ قدم پر چلتے رہنے کی ہمیشہ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سوشل میڈیا پر اخلاقیات کی پامالی اور اس کا سدِّ باب

محمد اقبال چشتی (ریسرچ اسکالر)

سوشل میڈیا رحمت بھی ہے اور زحمت بھی ہے۔ خیر بھی ہے اور شر بھی ہے۔ یہ نیکیاں کمانے کا ذریعہ بھی ہے اور گناہ و بدی سے اپنا دامن آلودہ کرنے کا بھی سبب ہے۔ اس سوشل میڈیا کو کون کیسے استعمال میں لاتا ہے اس کا انحصار استعمال کرنے والے کی نیت، تربیت، طبیعت، ذہنی کیفیت، علمی کمیت اور اس کے نسب و حیثیت پر ہے۔ سوشل میڈیا نے جہاں بہت سارے نامعلوم اہلِ فن اور اہلِ علم حضرات کو معتبر بنایا، وہاں بہت سارے اہلِ علم ہونے کے دعوے داروں کو اُن کے غیر علمی اور غیر ذمہ دارانہ طرزِ تکلم، ان کی ہجو گوئی، لغویات اور مغلظات کے باعث بے نقاب بھی کیا۔

بد قسمتی سے علماء جیسی وضع قطع رکھنے والے لوگ جنہیں عامۃ الناس کم علمی اور نادانی کے باعث علماء دین میں شمار کرتی ہے، وہ بھی سوشل میڈیا کے معروف ابلاغی ٹولز فیس بک اور یوٹیوب چینلز پر ایک طرف دینی و مذہبی عقائد و مسائل کی غلط تشریح و تعبیر کرتے دکھائی دیتے ہیں تو دوسری طرف علماء حق اور علمی، فکری اور روحانی اعتبار سے معتبر شخصیات کو برے القابات سے پکارتے نظر آتے ہیں۔ صرف مغلّظات بولنے تک بات محدود نہیں رہی بلکہ سوشل میڈیا پر بعض احباب ایسے بھی دیکھے گئے ہیں جو منبرِ رسول پر باقاعدہ اُچھل کود کرتے اور کرتب دکھاتے پائے گئے ہیں۔ اسی طرح ایسے کچھ نام

نہاد مبلغین کی واحد علمی شہرت لطیفہ گوئی ہے۔ یہ نام نہاد علماء کسی بھی طور دین کے نمائندے نہیں ہیں، اس لیے کہ جس اندازِ تکلم اور اخلاق باختہ رویہ سے وہ اپنے شاگردوں اور عامۃ الناس کو دینِ اسلام کا تعارف کروا رہے ہیں، یہ کسی بھی طور کسی عالم اور داعی کی شان نہیں ہے اور نہ ہی یہ دینِ اسلام کی تعلیمات ہیں۔ اختلافی مسائل کو منفی انداز میں اجاگر کرنے، مغلظات بولنے اور علماءِ حق کو برے القابات سے پکارنے کے پسِ منظر میں درج ذیل وجوہات ہوتی ہیں:

۱۔ سوشل میڈیا پر ایسا طرزِ عمل اختیار کرنے اور دوسروں کو گالیاں دینے والوں کو زیادہ لائیکس، شیئرنگ اور آمدنی (Revenue) ملتی ہے۔

۲۔ اِن کا یہ طرزِ عمل انھیں سوشل میڈیا پر وائرل کرتا ہے اور انھیں شہرت ملتی ہے، اور یہ لوگ دراصل طالب بھی اسی چیز کے ہی ہوتے ہیں۔

۳۔ ایک سبب دائمی جہالت اور تربیت کی کمی ہے۔

۴۔ بعض کسی خاص ایجنڈے پر ہوتے ہیں اور دین کی تعلیمات کے حوالے سے منفی اندازِ فکر اور علماءِ حق کے ساتھ ایسا رویہ عمداً اختیار کرتے ہیں۔

۵۔ دینی تعلیمات کو عمداً مسخ کرنا اور علمائے حق کو ٹارگٹ کرنے کا ایک مقصد سوشل میڈیا پر اپنے لوگوں کی توجہ حاصل کرنا اور اپنا قد کاٹھ بڑھانا ہوتا ہے۔

ایسے نادان اور جاہل لوگ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ دوسروں کو گالیاں دینا مصطفوی تعلیم و تربیت کے برعکس رویہ ہے۔ گالی دینے والا عالم تو کیا انسان کی تعریف پر بھی پورا نہیں اترتا۔ وہ زبانیں جنہیں پیکرِ شرافت و صداقت ہونا چاہیے، افسوس کہ وہ زبانیں محلِ نجاست و خباثت بنی ہوئی ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی مبارک حیات کا ہر لمحہ اور ہر مرحلہ اُمت کے سامنے بطور رول ماڈل موجود ہے۔ آپ ﷺ پر کفارِ مکہ نے ظلم کے پہاڑ توڑے۔ آپ ﷺ کے ساتھیوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ کوئی ظلم اور جبر ایسا نہیں تھا جس کا شکار آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ نہ ہوئے ہوں۔ شعب ابی طالب کی محصوری ہو یا طائف کی وادی کی سنگ باری، آپ ﷺ کسی موقع پر بھی بدترین مخالفین کو برے القابات نہیں دیتے بلکہ آپ ﷺ اُن کی اصلاح اور ہدایت کی دعائیں کرتے نظر آتے ہیں۔ جو علماء اپنے ہی کلمہ گو بھائیوں اور اہلِ علم ہستیوں کو برے ناموں اور القابات سے یاد کرتے ہیں اور ان پر سب و شتم کرتے ہیں، اُن کا مصطفوی تعلیمات اور سیرت طیبہ سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

دینِ اسلام عفو و درگزر، صلہ رحمی، رواداری، سلامتی اور نرمی کا دین ہے۔ ایک مسلمان جو حقیقت میں اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے دین کو سمجھتا اور اُس پر صدقِ دل سے عمل پیرا ہے، وہ کسی

مسلمان کو ہاتھ اور زبان سے تکلیف نہیں دیتا۔ حدیثِ نبوی میں 'لسان' کا لفظ پہلے استعمال کیا گیا ہے کیونکہ زبان انسان کو ہاتھ سے دیے گئے زخم سے زیادہ زخمی کرتی ہے اور اس کا زخم انسانی روح پر لگتا ہے جس سے انسان اضطراب کا شکار ہو جاتا ہے۔ دینِ اسلام کی نمایاں و بنیادی تعلیمات میں سے ہے کہ کسی کو بُرے القابات، برے الفاظ اور تمسخرانہ کلمات سے نہ پکارا جائے۔

آیئے یہ جانتے ہیں کہ ایسے لوگوں کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے کیا احکامات صادر فرمائے ہیں اور اُن کا تعارف کن الفاظ میں کروایا گیا ہے:

دعوتِ دین اور اخلاقِ مصطفی ﷺ

دینِ اسلام کی بنیاد حضور نبی اکرم ﷺ کے اَخلاقِ عالیہ اور آپ ﷺ کی عطا کردہ تعلیمات ہیں۔ آپ ﷺ کی مکی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو حقیقت واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے دینِ اسلام کے اوائل دور میں ہر طرح کے مصائب و آلام اور تکالیف برداشت کیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کفارِ مکہ نے ہر نوع کی ستم ظریفی کا نشانہ بنایا۔ یہاں تک کہ محدثین نے اُن تکالیف کا ذکر کرنے کے لیے اپنی کتب میں ابواب قائم کیے کہ: ''بَابُ مَا لَقِيَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَأَصْحَابُهُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ بِمَكَّةَ'' [باب: نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مکہ میں مشرکین کے ہاتھوں جن مشکلات کا سامنا کیا، اُن کا بیان]

ان تکالیف و مصائب کا اندازہ اس ایک واقعہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نماز ادا فرما رہے تھے اور جب سجدے کی حالت میں تھے تو عقبہ بن ابی معیط اونٹ کی اوجھڑی لایا اور آپ ﷺ کی پیٹھ مبارک پر ڈال دی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ میں یہ سب دیکھ رہا تھا، مگر میں کچھ نہ کر سکتا تھا، کاش مجھ میں روکنے کی اور کچھ کرنے کی طاقت ہوتی۔ (بخاری، ۱: ۹۴، رقم: ۲۳۷)

کفارِ مکہ اور منافقین نے اس سے بھی بڑھ کر ظلم و ستم روا رکھے، لیکن نبی کریم ﷺ نے کبھی کسی کو نہ برا کہا، نہ زبانِ رسالت سے کوئی لغو لفظ نکلا اور نہ ہی کسی کی ذاتیات پر حملہ کرتے ہوئے اُسے برے لقب سے پکارا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جسے آج کے سوشل میڈیا پر برسرِپیکار نام نہاد علماء بیان کرنے سے کتراتے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے دین کے نام پر عزت کمانے والے یہ لوگ افسوس کہ آپ ﷺ کی سیرتِ مقدسہ پر کسی بھی طرح عمل کرتے ہوئے نظر نہیں آتے۔

چاہیے تو یہ تھا کہ جس نبی ﷺ کا کلمہ پڑھا ہے اور جن کی تعلیمات کے پرچار کے لیے محراب و منبر استعمال کرتے ہیں، اُسی نبی کی تعلیمات بعینہ لوگوں تک پہنچائی جائیں۔ لیکن منابر و مساجد میں دین کے نام پر لوگوں کی ذاتیات منظرِ عام پر لانا، گالی گلوچ کرنا دین سے بے وفائی اور دشمنی ہے۔

منبروں اور مساجد میں بدزبانی کرنے والے کون؟

مذہبی تعلیم سے جڑنے والے بعض مفلوک الحال لوگ جن کا بچپن محرومیوں اور کسمپرسی میں گزرا، جب وہ منبر اور سٹیج پر بیٹھتے ہیں تو اُن کے الفاظ ماضی میں اُن کے ساتھ پیش آنے والے تلخ واقعات کی عکاسی کرتے ہیں۔ اُن کی چیخ و پکار اُن کی محرومیوں کی نشاندہی کر رہی ہوتی ہے۔ حضرت حسان بن عطیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

سَيَظْهَرُ شِرَارُ أُمَّتِي عَلَى خِيَارِهِمْ.

”عنقریب میری امت کے بہترین لوگوں پر شریر اور گھٹیا قسم کے لوگوں کا ظہور ہوگا“ (ابو عمرو عثمان بن سعید، السنن الواردۃ فی الفتن، ۴: ۷۹۸، الرقم: ۴۰۱)

زبانِ رسالت نے ایسے لوگوں کی نشاندہی آج سے ساڑھے چودہ صدیاں قبل کر دی تھی کہ ایسے لوگ جو منبروں پر بیٹھ کر دین کے نام پر لوگوں کی ذاتیات پر حملہ آور ہوں گے، گالیاں دیں گے، اپنے گھٹیا الفاظ کے ساتھ سستی شہرت کے حصول کے لیے بیہودہ حرکات کا سہارا لیں گے، لوگوں کی خواہشات کے مطابق فتوے جاری کریں گے، کتاب اللہ کی تعلیمات کو سستے داموں فروخت کریں گے، یہاں تک کہ اپنے فتویٰ اور دین فروشی کے ذریعے فساد فی الارض کا موجب بنیں گے، ان کا یہ عمل ان ہی یہود و نصاریٰ جیسا ہے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو مالی منفعت کی خاطر بیچا اور عذابِ الٰہی میں گرفتار ہوئے۔

دنیا کا بدترین شَر علمائے سوء کا شَر ہے

حضور نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات آفاقی ہیں۔ آپ ﷺ نے کسی بھی معاملے میں ابہامات واشکالات نہیں رکھے بلکہ دینِ متین کی تمام اَقدار کو واضح کر دیا۔ نگاہِ نبوت کائنات میں ہونے والی تمام تبدیلیوں سے واقفیت رکھتی تھی۔ آپ ﷺ کے علم میں یہ بات تھی کہ کس طرح دین کے نام پر لوگ شہرت کمائیں گے، دین کو فروخت کریں گے اور منبروں پر بیٹھ کر لغو اور بیہودہ زبان استعمال کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ سے شَر اور فساد کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

شر (فساد اور برائی) کے بارے میں مجھ سے نہ پوچھو، بلکہ بھلائی کے بارے میں مجھ سے سوال کرو، (اُس شخص نے تین بار سوال کیا اور تین مرتبہ ہی آپ ﷺ نے اُسے ایسے ہی فرمایا) آدمی نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! (ہم مجسم و مشخص صورت میں شر کی پہچان کرنا چاہتے ہیں) تو آپ ﷺ نے فرمایا:

أَلَا إِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شِرَارُ الْعُلَمَاءِ، وَإِنَّ خَيْرَ الْخَيْرِ خِيَارُ الْعُلَمَاءِ.

خبردار! سب سے بڑی برائی اور شر علماءِ (بد) کا شر ہے، اور سب سے بڑی بھلائی علماءِ (خیر) کی بھلائی ہے۔ (دارمی، السنن، ۱: ۱۱۶، رقم: ۳۷۰)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طوافِ کعبۃ اللہ فرما رہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہمیں لوگوں کے شر کے متعلق بتایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خیر کے متعلق سوال کرو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: شِرَارُ النَّاسِ شِرَارُ الْعُلَمَاءِ فِي النَّاسِ.

”لوگوں میں بدترین شر (فاسد تاویلات کرنے والے) علماء ہیں۔“

(بزار، المسند، ۷: ۹۳، رقم: ۲۶۴۹)

منبروں پر بیٹھ کر دین کے نام پر فسادات پھیلانے والے لوگ دینی اور اخلاقی لحاظ سے اس قدر غیر مہذب اور غیر تربیت یافتہ ہوتے ہیں کہ اُن کے نزدیک دوسروں کو بیہودہ الفاظ سے پکارنا، گالی دینا اور مغلظات بولنا برائی نہیں ہے۔ اس لیے یہ بڑے دھڑلے کے ساتھ اپنے کلام کا آغاز ہی گالی سے کرتے ہیں۔ حالانکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر فرمادیا ہے کہ:

سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ.

”مسلمان کو گالی دینا فسق / گناہ ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔“ (بخاری، الصحیح، ۱: ۲۷، رقم: ۴۸)

کاش یہ لوگ اپنی اصلاح و ہدایت کے لیے ان احادیث مبارکہ کی طرف متوجہ ہوں اور ان کی روشنی میں عمل کرتے ہوئے اپنی اصلاح کریں اور اَخلاقِ عالیہ سے متصف و مزیّن ہوں۔

علمائے سوء بدترین لوگ

زبانِ رسالت سے جہاں علماءِ حقہ کے لیے تحسین کے الفاظ وارد ہوئے ہیں وہیں پر ایسے علماء جو دین کے نام پر لوگوں میں فساد پھیلاتے اور منبروں پر گالیاں دیتے نظر آتے ہیں، انھیں آسمان کے نیچے بدترین قرار دیا گیا ہے۔ مولا علی علیہ السلام سے مروی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقَى مِنَ الْإِسْلَامِ إِلَّا اسْمُهُ، وَلَا يَبْقَى مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا رَسْمُهُ، مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِنَ الْهُدَى عُلَمَاءُهُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ أَدِيمِ السَّمَاءِ مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ، وَفِيهِمْ تَعُودُ.

”لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ حقیقی اسلام (لوگوں میں) باقی نہیں رہے گا مگر صرف اس کا نام ہوگا اور قرآنِ کریم میں سے بھی کچھ باقی نہیں رہے گا (یعنی مقصدِ قرآن جو سمجھنا اور عمل کرنا تھا)

بلکہ صرف اس کا رسم الخط باقی رہے گا۔ (یعنی سمجھنے اور عمل کرنے کے بجائے صرف دیکھ کر پڑھنا) مسجدیں آباد ہوں گی مگر ہدایت سے خالی ہوں گی۔ ان کے علماء آسمان کے نیچے سب سے زیادہ برے لوگ ہوں گے۔ انہی سے فتنے اٹھیں گے اور انہی کی طرف لوٹیں گے۔ (ظالموں کی حمایت و مدد کی وجہ سے دین میں فتنہ پیدا ہوگا اور انہی میں لوٹ آئے گا، اور انہی پر ظالم مسلط کر دیئے جائیں گے) ”(بیہقی، شعب الایمان، ۲: ۳۱۱، رقم: ۱۹۰۸)

یہ حدیث اس زمانہ کی نشان دہی کر رہی ہے جب دنیا میں اسلام تو موجود رہے گا مگر مسلمانوں کے دل اسلام کی حقیقی روح سے خالی ہوں گے۔ کہنے کو تو وہ مسلمان کہلائیں گے مگر اسلام کے حقیقی مدعا اور منشاء سے کوسوں دور ہوں گے۔ قرآن جو مسلمانوں کے لئے ایک مستقل ضابطۂ حیات اور نظامِ علم ہے اور اس کا ایک ایک لفظ مسلمانوں کی دینی و دنیاوی زندگی کے لئے راہ نما ہے، حفاظ کے سینوں میں تو ہوگا مگر وہ اس کے نور سے محروم ہوں گے۔ قرآن صرف برکت کے لیے پڑھنے کی ایک کتاب ہو کر رہ جائے گی۔ حدیث مبارک میں ”رسم قرآن“ سے مراد یہی ہے کہ تجوید و قرأت سے قرآن پڑھا جائے گا، مگر اس کے معارف و مفاہیم سے بالکل شناسا نہیں ہوں گے۔ احکاماتِ قرآنیہ یعنی اَوامر و نواہی پر عمل کرنے کی دولت سے محروم ہوں گے۔ مساجد ظاہر میں آباد ہوں گی مگر عبادتِ خداوندی کی لذت، ذکر اللہ اور درس و تدریس جیسے اعلیٰ مقاصد کا فقدان ہوگا۔ وہ علماء جو خود کو روحانی پیشوا و قائدین کہلوائیں گے، اپنے فرائضِ منصبی سے ہٹ کر مذہب کے نام پر امت میں فرقہ واریت پیدا کریں گے، ظالموں اور جابروں کی مدد و حمایت کریں گے۔ اس طرح دین میں فتنہ و فساد کا بیج بو کر اپنے ذاتی اغراض کی تکمیل کریں گے۔

> بد قسمتی سے علماء جیسی وضع قطع رکھنے والے لوگ مسلکی مسائل بیان کرتے ہوئے بے دریغ گالی کی زبان استعمال کرتے ہیں

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ علم کو اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ بندوں (کے سینوں سے) نکال لے بلکہ علماء کو موت دے کر علم کو اٹھائے گا:

إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا.

یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہ رہے گا تو جاہلوں کو سردار بنالیں گے اور ان سے (دینی مسائل) پوچھے جائیں گے اور وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسرں کو بھی گمراہ کریں گے۔(بخاری، الصحیح، ۱: ۵۰، رقم: ۱۰۰)

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ:

یَأْتِی عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ آلِهَتُهُمْ بُطُونُهُم، شَرَفُهُمْ مَتَاعُهُمْ، قِبْلَتُهُمْ نِسَاؤُهُمْ، دِيْنُهُمْ دَرَاهِمُهُمْ وَدَنَانِيْرُهُمْ، أُولٰئِكَ شَرُّ الْخَلْقِ لَا خَلَاقَ لَهُمْ۔

لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جب ان کی زندگی کا اہم مقصد شکم پروری ہو گا۔ ان کے نزدیک شرف و بزرگی دنیا کی دولت ہو گی، ان کی بیویاں ان کی سردار ہوں گی، اور ان کا مذہب درہم و دینار ہو گا۔ وہی لوگ بدترین مخلوق ہوں گے، اُن کا (آخرت) میں کوئی حصہ نہیں ہو گا۔(دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۵: ۴۴، رقم: ۸۶۸۸)

یاد رکھیں کہ جب کوئی باریش شخص منبرِ رسول پر بیٹھ کر گالی اور مغلظات بولتا ہے تو سوسائٹی میں اضطرابات پیدا ہوتے ہیں۔ جب عوام الناس اِن نام نہاد علماء کو باہم لڑتے دیکھتے ہیں تو اُن میں دین سے بیزاری اور خلفشاری بڑھتی ہے۔ منبروں پر بیٹھ کر برے الفاظ اور ناپسندیدہ القابات کے ساتھ دوسروں کو مخاطب کرنے والے لوگ نسلِ نو کو دین سے متنفر کررہے ہیں۔ علاوہ ازیں ان کے اس قبیح اور حرام فعل سے متاثر ہو کر جو بھی اس رویہ اور طور طریقہ کو اختیار کرے گا تو ان نام نہاد علماء کے نامۂ اعمال میں بھی گناہوں کا اضافہ ہوتا چلا جائے گا کیونکہ انھوں نے ہی اس برائی اور شر کی بنیاد رکھی۔ جب کوئی عالم ایک منبر پر بیٹھ کر کسی کو شک کی بنیاد پر گالی دیتا ہے، اُس پر الزام لگاتا ہے تو یہ ایک شنیع و قبیح عمل ہے جس کے متعلق اسلام منع کرتا ہے۔ اس سے ایک طرف تو اس کے حلقۂ احباب میں اس کی عزت و منزلت ختم ہو جائے گی بلکہ اُس کی گفتگو بے اثر اور لایعنی سمجھی جائے گی۔

اختلاف کا طریقۂ کار

لوگوں میں اختلاف کا واقع ہونا فطری عمل ہے۔ اسلام اگرچہ کسی کی اختلافی رائے کو مسترد نہیں کرتا، لیکن ایسے اختلافات کو ناپسند کرتا ہے جو تعصب و ہٹ دھرمی اور منفی جذبات پر مبنی ہوں۔ دورانِ اختلاف یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اگر اختلافِ رائے کا مقصود حق اور صراطِ مستقیم ہو تو ایسا اختلاف مقبول و ممدوح اور قابلِ تحسین ہے۔

حال ہی میں منہاج القرآن انٹرنیشنل کی سپریم کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی کتاب 'آداب اختلاف' شائع ہوئی ہے۔ اس موضوع پر یہ پہلی ضخیم کتاب ہے جس کی اَشد ضرورت تھی۔ آج زیادہ تر جھگڑے اس بات پر ہو رہے ہیں کہ ہم اختلاف اور مخالفت کا فرق بھول گئے ہیں۔ علمائے کرام، سیاستدانوں بالخصوص صحافی حضرات اور مختلف ٹاک شوز میں بیٹھنے والے تجزیہ نگاروں کو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری اپنی کتاب ''آداب اختلاف'' کے صفحہ 48 پر رقمطراز ہیں کہ:

''جب سارے مکاتب فکر کے ائمہ کرام شرعی اُصول وضوابط کے مطابق قرآن وحدیث اور اجماع و قیاس سے ہی استدلال کرتے ہیں تو کسی کو لعن طعن کرنا روا نہیں ہے، یہ بات مبلغین و واعظین اور بالخصوص ہمارے دینی مدارس کے مدرسین کے لیے قابل توجہ ہے کہ وہ کوئی ایسا طرزِ تبلیغ یا طرزِ تدریس اختیار نہ کریں جس سے کسی دوسرے مسلک کے امام کی تنقیص و تحقیر یا احترام میں کمی اور طلبہ کے ذہن میں نفرت پیدا ہو۔''

> **دینِ اسلام عفو ودر گزر، صلہ رحمی، رواداری، سلامتی اور نرمی کا دین ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا دنیا کا بدترین شر علمائے سوء کا شَر ہے**

اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام کو ہر دور میں ایسے باصلاحیت اور مضبوط رجالِ کار عطا فرمائے جو شریعت کی روح اور مقاصد کے مطابق پیش آمدہ جدید مسائل کا حل تلاش کرتے رہے۔ اگر اپنے زمانے سے قبل کے اَسلاف کے ساتھ اختلاف کی نوبت پیش آئی تو اَحسن انداز میں اُن کی رائے کے ساتھ اختلاف کیا۔ اس لیے ایسے اختلاف کو مذموم نہیں بلکہ محمود کہا گیا ہے۔ اجتہادی اختلاف کے بارے میں حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کا قول بہت اہمیت کا حامل ہے۔ آپ نے فرمایا:

مَا أُحِبُّ أَنَّ أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللهِ لَمْ يَخْتَلِفُوا، لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ قَوْلًا وَاحِدًا كَانَ النَّاسُ فِي ضِيقٍ. (ابن عبدالبر، جامع بیان العلم وفضلہ، ۱: ۹۰۱)

''مجھے اس بات سے خوشی نہ ہوتی اگر رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اختلاف نہ ہوتا؛ اس لیے کہ اگر ان میں اختلاف نہ ہوتا تو لوگ (صرف ایک ہی آپشن ہونے کے باعث اُمورِ دین کے حوالے سے) تنگی میں پڑ جاتے (اور ان کے لیے رخصت اور گنجائش کی راہیں مسدود ہو جاتیں۔''

یہ بات کتنی واضح ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز ؓ کہہ رہے ہیں کہ صحابہ کرام میں بھی اختلافی آراء پائی جاتی تھیں۔ کسی بھی کتاب میں یہ چیز ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گی کہ اگر کسی ایک صحابی یا تابعی نے دوسرے سے اختلاف کیا ہو تو دونوں کے مابین فحش کلامی، گالی گلوچ اور مغلّظات کا تبادلہ بھی ہوا ہو۔ ہمارے اسلاف کا کبھی یہ وتیرہ نہیں رہا کہ اپنی رائے کو طاقت کے بل بوتے پر امت پر مسلط کریں۔ اجتہادی کاوشیں خلوصِ نیت کے ساتھ اشاعت و فروغِ دین کی خاطر ہوا کرتی تھیں۔ ہمارے اسلاف ذاتی شہرت و عزت کے کبھی طلب گار نہ تھے۔

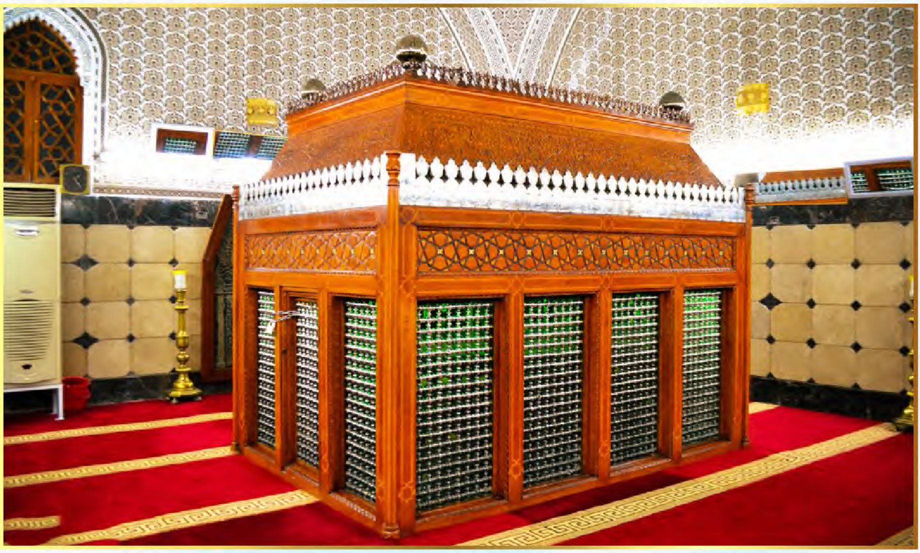

اگر ہم صحابہ کے بعد تابعین اور اَتباع التابعین ؓ کے مبارک دور کو ملاحظہ کریں تو ہمیں پتا چلتا ہے کہ ائمہ فقہ یعنی امام ابو حنیفہ اور صاحبین رحمھم اللہ تعالیٰ کے مابین متعدد اختلافی مسائل کتبِ فقہ میں مذکور ہیں مگر امام ابو حنیفہ نے اپنے ساتھ اختلاف کرنے والے اپنے شاگردوں کی کبھی سرزنش نہیں کی کہ تم اپنے استاذ اور امام کے سامنے اختلافی مسئلہ بیان کر رہے ہیں یا میری رائے کی تردید کر رہے ہو؟

اگر کسی شخص کا کسی کے ساتھ اختلافِ رائے ہو جائے، یا وہ کسی اور نظریہ کا پیروکار ہو، تو اُس پر تنقید و طنز کرنا منشاء اسلام کے خلاف ہے۔ اسلام میں تو کسی سزا یافتہ گناہ گار پر بھی طعن و تشنیع اور ملامت کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ کتبِ احادیث میں درج ہے کہ بعض صحابہ کرام ؓ نے خلافِ شرع امور انجام دینے والوں پر طعن و تشنیع کی تو حضور نبی اکرم ﷺ نے اس سے بھی منع فرما دیا۔

ایک صحابی پر کسی معاملے میں حد نافذ ہوئی تو بعض صحابہ نے اُن پر لعنت کی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا تَلْعَنُوْهُ، فَوَاللهِ، مَا عَلِمْتُ إِنَّهُ يُحِبُّ اللهَ وَرَسُوْلَهُ.

اس پر لعنت نہ کرو، اللہ کی قسم! میں تو اس کے متعلق یہی جانتا ہوں کہ یہ شخص اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ (بخاری، الصحیح، ٦: ٢٤٨٩، رقم: ٦٣٩٨)

اسلاف کے طرزِ عمل سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ چاہے وہ صحابہ کا دور ہو، تابعین کا، یا اتباع التابعین کا، دورانِ اختلاف ہر کوئی اخلاقیات، آداب اور الفاظ کا چناؤ مستلزم سمجھتا۔ تلخ گوئی، تند خوئی، درشت کلامی اور گالی جیسے رویے انسانی شخصیت کی تضحیک کرتے ہیں۔ کسی شخصیت سے مسائل میں اختلاف کے دوران آداب کو ملحوظ رکھنا ہمارے اسلاف کا طرۂّ امتیاز رہا ہے۔

یہاں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا تذکرہ ضروری ہے کہ آپ اپنی دینی مساعی اور عالم گیر دورہ جات کے دوران گفتگو میں ہمیشہ سیرتِ طیبہ اور اَخلاقِ حسنہ کو بھی شامل گفتگو فرماتے ہیں۔ آپ اوّل دن سے ہی نوجوانوں کے اَخلاق و کردار سنوارنے کی طرف متوجہ رہے۔ آپ نے نوجوانوں کے اَخلاق و کردار سنوارنے کے لیے منہاج یوتھ لیگ قائم کی، طلبہ کی تعلیم و تربیت کے لیے مصطفوی سٹوڈنٹس قائم کی اور خواتین کی تعلیم و تربیت کے لیے منہاج القرآن ویمن لیگ قائم کی۔ یہ بات دعٰوی کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے تربیت یافتہ نوجوان، طلبہ و طالبات اپنے اَخلاق و کردار میں سب سے مختلف نظر آتے ہیں۔ منہاج القرآن کے اسکالرز بین المذاہب رواداری اور اتحاد بین المسلمین کے پیامبر نظر آتے ہیں۔ وہ فرقہ واریت کی فضول ابحاث کا حصہ نہیں بنتے اور دوسروں کو برے القابات سے پکارنے اور سب و شتم کرنے کے بجائے اپنے نقطۂ نظر کو علمی و تحقیقی استدلال کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ یہ سب شیخ الاسلام کی تربیت کا اِعجاز ہے۔ یہی کردار ہر عالمِ دین کو اختیار کرنا ہوگا۔

خلاصۂ کلام

دینِ متین لوگوں کے ساتھ خوش اسلوبی اور دوسروں کے ساتھ اختلافی نقطہ نظر بیان کرنے میں آداب ملحوظ رکھنے کی تلقین کرتا ہے۔ یاد رکھیں کہ ایک عالم، استاد اور حاکم کی کہی ہوئی بات کا اثر ہوتا ہے، اس لیے ان مناصب پر فائز تمام لوگوں سے گذارش ہے کہ جب وہ عوام الناس میں کسی کے متعلق کلام کریں تو شائستگی کے ساتھ بولیں اور کسی کے ساتھ اختلاف کریں تو آداب کو ملحوظ رکھیں۔ اس لیے کہ کلام میں شائستگی، آداب اور شگفتگی کو ملحوظ رکھنے میں ہی دین کے حقیقی تشخص کی حفاظت کا راز پنہاں ہے۔

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا
تنظیمی دورہ کراچی و خیبر پختونخوا

خصوصی رپورٹ

گزشتہ ماہ چیئرمین سپریم کونسل منہاج القرآن انٹرنیشنل ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے کراچی اور صوبہ خیبر پختون خوا کا تعلیمی و تربیتی اور تنظیمی دورہ کیا۔ اس دورہ کے دوران انھوں نے متعدد کانفرنسز، پروگرامز اور ورکرز کنونشنز میں شرکت کی۔ اس دورۂ کی اجمالی رپورٹ نذرِ قارئین ہے:

کراچی: ا۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن کے زیرِ اہتمام چلنے والے شاندار فلاحی منصوبہ آغوش آرفن کیئر ہوم کراچی کا دورہ کیا، جہاں انہوں نے بچوں کو فراہم کی جانے والی سہولیات کا تفصیلی جائزہ لیا اور ان کی معیاری دیکھ بھال پر اطمینان کا اظہار کیا۔ اس موقع پر انھوں نے وہاں زیرِ تعلیم بچوں اور اساتذہ سے ملاقات کی اور گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ منہاج القرآن نے لاہور کے بعد کراچی اور دیگر شہروں میں بھی سٹیٹ آف دی آرٹ آرفن کیئر ہوم قائم کیے ہیں، جہاں ہزاروں بچے تعلیم و تربیت سے مستفید ہو رہے ہیں۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا ویژن ہے کہ انسانیت کی خدمت بہترین عبادت ہے اور ہر صاحب استطاعت بے سہارا بچوں کا سہارا بنے تاکہ معاشرہ اخوت و بھائی چارہ کا گہوارہ بنے۔ اس خواب کی تعبیر کو یقینی بنانے والوں میں قاضی زاہد حسین، مسعود

عثمانی، زاہد لطیف، عتیق چشتی، ڈاکٹر شمیم عالم، نصرت راناڈار، بشیر خان مروت، ملک سلیم پاکستانی، دھنی بخش سومرو، اقبال واڈیا، محمود میمن، جنید ببانی، اجمل فیاض، پروفیسر راؤ جاوید، مفتی مکرم خان سمیت آغوش کی پوری ٹیم اور کراچی کے جملہ عہدیداران کو مبارکباد دیتا ہوں۔

۲۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے کراچی میں منعقدہ سالانہ میلاد کانفرنس سے خطاب کیا۔اس میلاد کانفرنس میں مختلف مسالک و مذاہب اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والی معروف شخصیات اور ہزاروں کی تعداد میں مرد و خواتین نے شرکت کی۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے آقا علیہ السلام کے مقامِ عفو و درگزر پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ دوسروں کو معاف کردینے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنے غصہ کو ضبط کرنے والا ہو، تب ہی لوگوں کو معاف کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا۔ غصے پر ضبط کرنا ضروری ہے، تاکہ لوگوں کی غلطیوں کو نظر انداز کرنے کی عادت پیدا ہو سکے۔ اپنی زبانوں کو شیریں بنائیں تاکہ آپ کے الفاظ لوگوں کے دلوں میں محبت اور امن کا پیغام پہنچائیں۔ اصل داعی وہی ہے جو جاہلوں سے ٹکرائے تو سلامتی کے ساتھ جواب دے اور نفرت کو محبت میں بدل دے۔ معاف کرنا سیکھیں، لوگوں سے محبت کرنا سیکھیں، لوگوں کے لیے جود و سخا اور معافی کا پیکر بننا سیکھیں۔

کانفرنس میں تحریک منہاج القرآن کراچی کے سربراہ قاضی زاہد حسین، صدر منہاج القرآن کراچی، مسعود احمد عثمانی، نائب ناظم اعلیٰ سندھ مظہر محمود علوی، پیر سید انیس احمد نظامی، عتیق احمد چشتی، علامہ غلام غوث چشتی، مفتی مکرم خان قادری، صاحبزادہ ثاقب نوشاہی، سہیل احمد رضا، حفیظ الرحمن خان، ظفر اقبال، مفتی ملک محمد اعجاز قادری، زاہد منصوری، ڈاکٹر صابر ابو مریم، ہندو راہنما مہاراجہ وجے گوسوامی، رائٹ ریورنڈ بشپ نذیر عالم، سردار گومن سنگھ، سردار مدن سنگھ، ماہراج وجے

گوسوان، ڈاکٹر ثاقب، انیلہ الیاس ڈوگر، نصرت ڈار، فوزیہ جنید، اُم کلثوم قمر سمیت مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والی شخصیات، علمائے کرام، مشائخ عظام، خطباء، واعظین، متعلقین، متوسلین، مرد و خواتین نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔

۳۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کے اعزاز میں کراچی کی معروف کاروباری شخصیت حاجی محمد ادریس کی طرف سے عشائیہ دیا گیا۔ اس موقع پر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے صوفیاء کرام کی تعلیمات اور ان کے روحانی کردار پر اظہار خیال فرمایا۔ اس موقع پر حاجی محمد ادریس کی فیملی کے 27 ممبران نے منہاج القرآن انٹرنیشنل کی لائف ممبر شپ لی اور چیئرمین سپریم کونسل سے سرٹیفکیٹس وصول کئے، چیئرمین سپریم کونسل نے ان کے گھر پر مرکزِ علم اور گوشۂ درود کا افتتاح بھی کیا۔

۴۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی شہرہ آفاق کتاب ”دستور مدینہ اور فلاحی ریاست کا تصور“ کی تقریب رونمائی کراچی میں منعقد ہوئی۔ جس میں ہر طبقہ زندگی سے تعلق رکھنے والی نمایاں شخصیات اور کراچی کے جملہ عہدیداران و ذمہ داران نے خصوصی شرکت کی۔ تقریب سے جسٹس

ریٹائرڈ شائق عثمانی، سینئر راہنما متحدہ قومی موومنٹ پاکستان ڈاکٹر فاروق ستار، قونصلیٹ جنرل خانۂ فرہنگ ایران کراچی حسن نوریان، معروف قانون دان ڈاکٹر رعنا ایڈووکیٹ، ہندو کمیونٹی راہنما کرشن لعل شرما، پروفیسر ڈاکٹر سہیل شفیق، ایسوسی ایٹ پروفیسر، چیئرمین ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک ہسٹری یونیورسٹی آف کراچی، اقلیتی ایم این اے ڈاکٹر رمیش کمار، معروف اقلیتی راہنما و ہیومن رائٹس ایڈووکیٹ کلپنا دیوی، دانشور و محقق عرفان صدیقی، قاضی زاہد حسین، مفتی محمد اعجاز قادری سمیت دیگر نے خطاب کیا۔ مہمانِ گرامی نے ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی علمی و تحقیقی تصنیف 'دستورِ مدینہ اور فلاحی ریاست کا تصور' پر خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ ایک عظیم علمی و تحقیقی کاوش ہے، جو اسلامی فلاحی ریاست کے اصولوں کو جدید دنیا میں بطور ماڈل کرتی ہے۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا یہ علمی ورثہ آنے والی نسلوں کیلئے کی روشنی کا مینار ہے۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے اپنے خطاب میں دستور مدینہ کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے کہا کہ کہا جاتا تھا کہ دستور مدینہ صرف تاریخ کی کتابوں میں ہے، اللہ کی توفیق سے ہم نے قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کی حقانیت اور ناگزیریت کو ثابت کیا ہے۔ میثاق مدینہ نا صرف دنیا کا پہلا تحریری دستور ہے بلکہ یہ جدید دساتیر کا منبع و ماخذ ہے، آج کی دنیا کا ہر دستور اس کے سیاسی، تعلیمی، عدالتی، انتظامی اصولوں سے راہنمائی لیتا نظر آتا ہے۔

چیئرمین سپریم کونسل منہاج القرآن انٹرنیشنل
ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا دورۂ خیبر پختون خوا

گزشتہ ماہ اکتوبر میں کراچی کے کامیاب تعلیمی و تنظیمی دورہ کے بعد چیئرمین سپریم کونسل ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے خیبر پختون خواہ کا سات روزہ دورہ کیا۔ اس دورے میں ناظم اعلیٰ خرم نواز گنڈاپور، نائب ناظم اعلیٰ KPK عرفان یوسف، صدر منہاج القرآن علماء کونسل حاجی امداداللہ خان قادری، ناظم اعلیٰ نظام المدارس ڈاکٹر میر آصف اکبر قادری، ڈائریکٹر انسٹی ٹیوشنز MWF سید امجد علی شاہ اور KPK کے مختلف اضلاع کے مقامی عہدیداران اور قائدین ان کے ہمراہ تھے۔ اس دورہ کے دوران آپ نے دیر بالا، مردان، پشاور اور کوہاٹ سمیت دیگر شہروں میں میلاد کانفرنسز اور اپنی شہرۂ آفاق کتاب "دستورِ مدینہ اور فلاحی ریاست کا تصور" کی تقاریبِ رونمائی میں شرکت کی اور خطابات فرمائے۔ اس دورہ کی اجمالی رپورٹ نذرِ قارئین ہے:

۱۔ منہاج القرآن انٹرنیشنل کی سپریم کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے خیبر پختون خوا کے دورہ کے لئے تشریف لے جاتے ہوئے ایک دن اسلام آباد میں قیام کیا۔ اس دوران آپ نے جی نائن مرکز میں تحریک منہاج القرآن اسلام آباد کے زونل آفس کا افتتاح کیا۔ زونل آفس میں تحریک منہاج القرآن کے جملہ فورمز پاکستان عوامی تحریک، منہاج ویمن لیگ، منہاج یوتھ لیگ، مصطفوی سٹوڈنٹس موومنٹ اور ذیلی ڈیپارٹمنٹس کے دفاتر کے ساتھ ساتھ کانفرنس ہال بھی شامل ہے۔

۲۔ اسلام آباد میں ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے جامعہ حیدریہ غوثیہ اسلام آباد میں عالمی محفلِ حُسنِ قرأۃ بسلسلہ سالانہ دستارِ فضیلت میں خصوصی شرکت کی۔ اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ قرآن کا فیضان صرف اسے ملے گا جو بابِ مدینۃ العلم سے علم کی خیرات حاصل کرے گا۔ اگر کوئی

قرآن کا عالم یا مفسر بننا چاہتا ہے، تو اسے اپنے دل میں وسعت اور برداشت پیدا کرنی چاہیے تاکہ وہ علم کو بہتر طور پر سیکھ سکے اور اختلافی باتوں کو تحمل سے سن سکے۔ آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت ہمیں سکھاتی ہے کہ اختلافِ رائے رکھنے والے کی بات کو تحمل اور صبر سے سننا چاہیے۔ جو شخص کسی کی بات سننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، وہ کبھی اچھا مناظر نہیں بن سکتا۔ اس موقع پر آپ نے حضرت خواجہ پیر بدر عالم جان سجادہ نشین دربار عالیہ مرشد آباد شریف پشاور، حاجی امداد اللہ قادری، ڈاکٹر میر آصف اکبر قادری اور دیگر مہمانان گرامی کے ہمراہ جامعہ حیدریہ غوثیہ G-9 مرکز اسلام آباد میں فارغ التحصیل ہونے والے حفاظ اور علمائے کرام کو دستارِ فضیلت اور اساتذہ کو شیلڈز بھی دیں۔

۳۔ اٹک میں چیئر مین سپریم کونسل، ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے مصطفوی سٹوڈنٹس موومنٹ کے زیرِ اہتمام قومی طلبہ کنونشن میں خصوصی شرکت کی۔ اس موقع پر ناظم اعلیٰ خرم نواز گنڈاپور، نائب ناظم اعلیٰ چودھری عرفان یوسف، مرکزی صدر ایم ایس ایم پاکستان شیخ فرحان عزیز سمیت دیگر ذمہ داران بھی ان کے ہمراہ موجود تھے۔ مصطفوی سٹوڈنٹس موومنٹ کے 30ویں یومِ تاسیس کے سلسلہ میں منعقدہ قومی طلبہ کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے پاکستان کے طلبہ کو علم اور قلم کا زیور دیا اور انہیں کتاب سے محبت کرنا سکھایا۔ ایم ایس ایم کے نوجوان شیخ الاسلام دامت برکاتہم العالیہ کا فخر ہیں۔ آج ہمیں مصطفوی معاشرے کے قیام کے لیے مصطفوی سٹوڈنٹس موومنٹ کی شکل میں ایک نئی بیدار مغز اور ایماندار نسل تیار کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ ہم ایک باوقار قوم بن سکیں۔ اس موقع پر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے رفاقت مہم (سال 2023-2024) میں شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والے اضلاع جھنگ، راولپنڈی سینٹرل، سرگودھا سینٹرل،

تحصیلات اکڑیانوالہ، راولپنڈی پی پی 15، سرگودھا سٹی اور انفرادی طور پر ممبر شپ مہم کے ٹارگٹس مکمل کرنے والے چوہدری ذیشان یوسف، قسیم سجاد، احمد حسن اور دیگر ذمہ داران کو شیلڈز دیں۔

۴۔ بین الاقوامی شہرت کے حامل دینی ادارے جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک پہنچنے پر منہاج القرآن انٹرنیشنل کی سپریم کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا مولانا سمیع الحق (مرحوم) کے صاحبزادے مولانا حامد الحق حقانی اور مولانا راشد الحق حقانی نے دیگر اکابرین کے ہمراہ استقبال کیا، خوش آمدید کہا اور پھولوں کے گلدستے پیش کئے۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے مولانا حامد الحق حقانی، مولانا راشد الحق الحقانی کے ہمراہ جامعہ اکوڑہ خٹک کے مختلف شعبہ جات اور قدیمی مرکزی کتب خانہ اور شعبہ تحفیظ و تجوید کا دورہ کیا۔ اور اساتذہ و طلبہ نے بھی ملاقاتیں کیں۔ دریں اثناء ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے مولانا سمیع الحق (مرحوم) کی قبر پر فاتحہ خوانی بھی کی۔

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں علم کی اہمیت پر لیکچر دیتے ہوئے کہا کہ علم جہاں سے بھی ملے اسے حاصل کرنا چاہیے۔ قرآن ہمیں حصول علم، غور و فکر اور تدبر کی دعوت دیتا ہے۔ ہم اعتقادی معاملات میں الجھ کر یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم سب حضور تاجدارِ کائنات ﷺ کے امتی ہیں اور وہی ذات ہمارے لئے ذریعہ ہدایت و راہنمائی ہے۔ اسی پاکیزہ نسبت کے طفیل ہمیں ایک دوسرے کو قریب کرنے کی ضرورت ہے۔ ائمہ و محدثین اور بزرگانِ دین اپنے دروازے ہر ایک کے لئے کھلے رکھتے تھے اور ان کے مدارس اور خانقاہوں سے ہر ایک کو علمی و روحانی فیض ملتا تھا، اور یہ فیض جاری ہے۔ اس موقع پر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے اپنی کتاب "دستورِ مدینہ اور فلاحی ریاست کا تصور" پر بھی گفتگو فرمائی۔ اس علمی نشست میں جامعہ کے اساتذہ، علماء، فضلاء اور طلبہ کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا تنظیمی دورہ خیبر پختونخوا

۵۔ نوشہرہ: منہاج القرآن انٹرنیشنل کی سپریم کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے زیرِ تعمیر اسلامک سنٹر و مسجد کریمیہ منہاج القرآن کا وزٹ کیا اور تنظیمی ذمہ داران سے ملاقات کی۔

۶۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے دیر بالا میں ختم نبوت کانفرنس میں خصوصی شرکت کی۔ اس تاریخی ختم نبوت کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ اللہ رب العزت نے تاجدار کائنات حضور نبی اکرم ﷺ کو خاتم النبیین بنا کر بھیجا اور نبوت کا دروازہ تا قیامت بند کر دیا۔ ایمان کی تعریف پر وہی پورا اترتا ہے جس کا ختم نبوت پر اٹل یقین ہے۔ ائمہ محدثین، مجددین، دین مصطفی ﷺ کی بنیادوں اور اعتقاد و نظریات کی حفاظت تا قیامت کرتے رہیں گے اور اللہ کے ولیوں اور عشاقان مصطفی ﷺ کے ہوتے ہوئے کوئی عقیدہ ختم نبوت میں دراندازی نہیں کر سکتا۔ جو بھی یہ ناپاک جسارت کرے گا، وہ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی رسوا ہو گا۔ اپنے ایمان کی حفاظت، تقویت اور ارتقا کے لئے فلسفہ ختم نبوت کو سمجھیں۔ عقیدہ ختم نبوت کا مغزیہ ہے کہ سیرت مصطفی ﷺ کو اپنا لیں، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دین کو آئندہ نسلوں تک منتقل کرنے کے حوالے سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جائے۔ امت جب تک قرآن و سنت اور اسوہ رسول ﷺ کے ساتھ جڑی رہے گی، ایمان کی سلامتی اور استحکام پائے گی۔ اس کانفرنس میں علمائے کرام، معلمین، مدرسین، مختلف طبقہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والی مقدر شخصیات اور تحریک منہاج القرآن کے جملہ فورمز کے قائدین و کارکنان اور رفقاء و وابستگان نے شرکت کی۔

۷۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری آستانہ عالیہ قادریہ باغکنڈی شریف بھی تشریف لے گئے۔ سجادہ نشین زیب آستانہ صاحبزادہ شیخ القرآن والحدیث پیر حافظ محمد القادری، صاحبزادہ پیر محمد القادری، صاحبزادہ سلطان محمد القادری، صاحبزادہ ڈاکٹر انوار محمد القادری نے ان کا استقبال کیا، پھولوں کے گلدستے پیش کئے اور دربارِ عالیہ کی خصوصی چادر پہنائی۔ اس موقع پر منعقدہ تربیتی نشست سے ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے اولیاء اللہ کی صحبت کے موضوع پر گفتگو فرماتے ہوئے کہا کہ اگر استقامت اور ثابت قدمی کے ساتھ راہِ حق پر چلنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے اخیار کی صحبت اختیار کرو، اپنے آپ کو اللہ والوں کی صحبت کا عادی بناؤ۔ اگر کچھ لینا ہے اور سلوک کی راہ کا مسافر بننا ہے تو سالکِ حق کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک در پر جھکا رہے، جو در در پر جھکتا ہے وہ بے در ہو جاتا ہے۔ اس موقع پر چیئرمین سپریم کونسل نے نظام المدارس پاکستان مالاکنڈ ڈویژن کے صدر صاحبزادہ سلطان محمد القادری کو نظام المدارس پاکستان سے الحاق کی سند دی اور الحاق پر مبارکباد دی اور کہا کہ اللہ رب العزت اس سلسلے کو علم، تعلم اور تدریس اور تربیت کا باعث بنائے۔ جب علم، تعلم اور تدریس کو کسی اللہ والے کی تربیت کی آغوش میسر آتی ہے تو پھر گوہر نایاب بنتے ہیں۔ یہ مرکز استقامت اور ثابت قدمی سے علم کے نور کو پھیلانے کا سلسلہ قائم رکھے۔

۸۔ مردان میں منہاج القرآن انٹرنیشنل کی سپریم کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر حسن محی الدین نے رحمۃ للعالمین کانفرنس میں شرکت کی اور خصوصی خطاب فرمایا۔ کانفرنس میں حضرت علامہ مفتی صاحبزادہ فضل ربانی اور مردان سے جید علماء کرام نے خصوصی شرکت کی۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے اپنے خطاب میں کہا کہ اللہ رب العزت کا قرآن مجید میں نازل کیا گیا کوئی ایک لفظ تو کیا، ایک نکتہ بھی حکمت اور مقصدیت سے خالی نہیں ہے۔ کلام اللہ کو مفسرین دیکھیں گے تو اس میں انھیں تفسیری رنگ نظر آئے گا، محدثین اور فقہا کو اس میں حدیثیں اور فقہی رنگ ملیں گے، قرآن کی تلاوت مجددین کریں گے تو وہ تجدیدی رنگ بکھیرتے چلے جائیں گے، سائنسدان کو سائنسی، حکمت والوں کو منطقی، استدلال اور اہلِ تصوف کو ہر آیت میں فنا فی اللہ اور فنا فی الرسول کی چاشنی ملے گی۔ یعنی قرآن کا اعجاز یہ ہے کہ وہ ہر علمی سطح اور ذوق رکھنے والے کے ذوق کی تسکین مہیا کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کو پیکر رحمت و شفقت اور جامع الصفات بنایا۔ آپ جامع الکمالات ہیں، حضور نبی اکرم ﷺ اپنے ہر امتی کو اسی رنگ میں رنگا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔ محبت رسول اور عشق رسول کے دعوؤں کا عملی تقاضا یہ ہے کہ ہم اخلاقِ مصطفیٰ کو اپنائیں اور اپنے ظاہر و باطن میں مصطفوی کردار والے بن جائیں۔

۹۔ پشاور میں منہاج القرآن انٹر نیشنل کی سپریم کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے معلمِ انسانیت کانفرنس میں شرکت کی اور خطاب فرمایا۔ معلمِ انسانیت کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے چیئرمین سپریم کونسل نے کہا کہ اللہ رب العزت نے حضور سرکارِ دوعالم حضرت محمد ﷺ کو معلمِ انسانیت بنا کر بھیجا، آپ انسانیت کی رشد وہدایت کے لیے مبعوث فرمائے گئے۔ ہمیں ہر وقت خدا کا شکر گزار رہنا چاہیئے اگر مل جائے تو بھی شکر ادا کرنا چاہیئے اور اگر نہ ملے تو بھی شکر ادا کرنا چاہیئے۔ جو اللہ کی تقسیم اور اس کی رضا پر راضی رہے وہ پیکرِ ادب ہوتا ہے۔ ادب کو زندگیوں کا زیور بنائیں، اگر ادب نکل گیا تو خالی علم نہیں بخشوا سکتا۔

۱۰۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے پشاور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ دستورِ مدینہ صرف ایک معاہدہ نہیں، بلکہ ایک مکمل اور اوّلین تحریری دستور ہے۔ اس دستور کے 63 آرٹیکلز سے 73 آئینی اُصول اخذ ہوتے ہیں۔ آج سے تقریباً ساڑھے چودہ سو سال قبل رحمتِ عالم ﷺ کی طرف سے عطا کیا گیا پہلا تحریری آئین عصرِ حاضر کے تمام دساتیر پر فائق ہے۔ سیمینار میں صدر پشاور ہائی کورٹ بار فدا گل ایڈووکیٹ سپریم کورٹ، جنرل سیکرٹری پشاور ہائی کورٹ بار عالم خان ایڈووکیٹ اور بار کے نامور وکلاء نے خصوصی شرکت کی اور اظہارِ خیال فرمایا۔

۱۱۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے تحریک منہاج القرآن پشاور کے زیرِ اہتمام ورکرز کنونشن میں شرکت کی۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے جملہ فورمز کے ورکرز کو شاندار کارکردگی پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا کہ اللہ رب العزت اپنی توفیق خاص سے آپ کی کوششوں میں مزید برکت عطا فرمائے۔ آپ تمام احباب جس محنت اور لگن سے دینِ متین کے پیغام کو عوام الناس تک پہنچانے میں مصروف ہیں، یہ انتہائی قابلِ قدر عمل ہے۔ اتفاق و اتحاد مشن کی کامیابی کی کنجی ہے، اپنی صفوں میں ہمیشہ اتحاد کو قائم رکھیں۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اپنی پوری زندگی اس عظیم مشن کے لیے وقف کر رکھی ہے، اور اب ہمارا فرض ہے کہ ہم اس مشن کو آگے بڑھاتے ہوئے نسلوں کے ایمان کی حفاظت کا فریضہ انجام دیں۔

۱۲۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری آستانہ عالیہ چشتیہ کریمیہ ڈاگ اسماعیل خیل تشریف لے گئے۔ جہاں آپ نے آستانہ عالیہ میں منعقدہ غوث الاعظم کانفرنس میں شرکت کی۔ زیبِ سجادہ نشین صاحبزادہ حافظ سعید حسین القادری، صاحبزادہ علامہ نور یاسین القادری، صاحبزادہ محمد حسن قادری اور معلمین و مدرسین نے پرتپاک استقبال کیا۔ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے چیئرمین سپریم کونسل نے کہا کہ حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ جڑنے کا ارادہ کرو، تو اپنے نفس اور دنیاوی خواہشات سے بالکل لاتعلق ہو جاؤ۔ دنیا کی لذتیں، مال و دولت، شہرت اور راحتیں تمہارے راستے کی رکاوٹ نہیں بننی چاہئیں۔ اللہ سے تعلق اس انداز میں ہو کہ دل میں صرف اللہ کی محبت اور اس کی رضا کی طلب باقی رہے۔ آج کے دور میں اپنی دینی، اخلاقی اور روحانی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ حضور غوث الاعظم کی تعلیمات پر عمل کیا جائے۔

۱۳۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری دربارِ عالیہ مرشد آباد شریف پشاور تشریف لے گئے۔ مرشد آباد شریف پشاور کی جامع مسجد میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ شریعت کا اطلاق ظاہر پر ہوتا ہے اور یہ ادا کرنا قدرے آسان ہوتا ہے۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ پر عمل کرنا صاحبِ استقامت کے لیے آسان ہے لیکن طبیعت کا بدلنا دشوار ترین عمل ہے۔ اگر کوئی مزاج کا سخت ہے تو اس مزاج میں نرمی لے آنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اسی طرح بخیل کا سخی ہو جانا، بدکار کا نیک ہو جانا اور سخت کلامی کرنے والے کا خوش اخلاق بن جانا نہایت مشکل عمل ہے۔ شریعت پر عمل کرنے سے فرض تو ادا ہو جاتا ہے، لیکن اگر آپ چاہتے ہیں کہ شریعت کا عمل دیگر افعال کو بھی بدل دے تو نیک صحبت میں تسلسل بہت ضروری ہے۔ اجتماعِ جمعہ میں حضرت خواجہ پیر بدر عالم جان سجادہ نشین دربار عالیہ مرشد آباد شریف پشاور، پیر فخرِ عالم جان، صاحبزادہ مصباح عالم جان اور دربارِ عالیہ کے مریدین، متوسلین اور تحریک منہاج القرآن کے جملہ فورمز کے قائدین و کارکنان شریک ہوئے۔

۱۴۔ منہاج القرآن انٹر نیشنل کی سپریم کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر حسن محی الدین قادری دار العلوم رحمانیہ پیر مستان شاہ پشاور بھی تشریف لے گئے۔ آپ نے سید عنایت علی شاہ بادشاہ سے ملاقات کی اور مختلف امور پر اظہارِ خیال فرمایا۔

۱۵۔ منہاج القرآن انٹر نیشنل کی سپریم کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا گھمکول شریف پہنچنے پر صاحبزادہ پیر جنید شاہ اور تحریک منہاج القرآن کوہاٹ کے ذمہ داران کی جانب سے پُر تپاک استقبال کیا گیا۔ اس موقع پر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت خواجہ زندہ پیر رحمۃ اللہ علیہ گھمکول شریف پیر حبیب اللہ شاہ سے ملاقات کی۔ عرس مبارک کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے کہا کہ اللہ والے دلوں کو جوڑنے اور محبتیں بانٹنے والے ہوتے ہیں۔ ان کے پاس آنے والے اپنی روحانی پیاس بجھانے اور دل کی تڑپ مٹانے کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ اسلام کا پیغامِ امن و سلامتی صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ تمام انسانیت

کے لیے ہے۔ جو لوگ اسلام کی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں وہ نہ صرف خود امن میں رہتے ہیں بلکہ دوسروں کے لیے بھی امن کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اولیاء اللہ اور صوفیاء کرام کا شمار اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں میں ہوتا ہے، اُن کی تعلیمات اور طرزِ زندگی سے لوگوں کی زندگیوں میں امن، محبت اور رواداری آتی ہے۔

خیبر پختونخوا

خیبر پختونخوا

۱۶۔ منہاج القرآن انٹرنیشنل کی سپریم کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی کوہاٹ ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن میں دستورِ مدینہ اور فلاحی ریاست کے تصور پر منعقدہ سیمینار میں شرکت کی اور اظہارِ خیال فرمایا۔ چیئرمین سپریم کونسل نے کہا کہ علم و تعلیم کے تسلسل سے اسلامی فکر میں جمود نہیں آسکتا۔ مدینہ کا دستور ایک معاہدہ نہیں بلکہ انسانی تاریخ کا پہلا تحریری دستور تھا، جو حضور ﷺ کی

حکمت اور بصیرت کا نتیجہ تھا۔ آپ ﷺ نے ریاست مدینہ اور اس کے قبائل کو کھوئے ہوئے حقوق دلوائے۔ یہ دستور کسی پرانی تہذیب کا عکس نہیں تھا بلکہ پہلی فلاحی، عوامی تحریری آئینی دستاویز تھی۔ آپ ﷺ نے مختلف قبائل اور مذاہب کو ایک قوم اور ریاست کی بنیاد پر جمع کیا، حقوق کی برابری اور ڈیولوشن آف پاور کا نظام دیا، خواتین کے حقوق محفوظ کیے، اور ایک آزاد عدالتی نظام قائم کیا۔ سیمینار میں صدر ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن کوہاٹ ڈاکٹر امیر عجم خٹک ایڈووکیٹ اور بار کونسل کے نامور وکلاء نے شرکت کی اور اظہارِ خیال فرمایا۔

۱۷۔ چیئر مین سپریم کونسل منہاج القرآن انٹرنیشنل ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے تحریک منہاج القرآن کوہاٹ کے زیراہتمام ورکرز کنونشن میں شرکت کی اور تربیتی گفتگو فرمائی۔ چیئرمین سپریم کونسل نے ورکرز کنونشن میں شریک ذمہ داران کو کارکنان سے گفتگو کرتے ہوا کہا کہ آپ خوش قسمت لوگ ہیں جو اس دورِ پُرفتن میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دین کی دعوت، ترویج اور اشاعت میں مصروفِ عمل ہیں۔ انہوں نے کہا کہ دعوت کا اصل اسلوب یہ ہے کہ سب سے پہلے انسان اپنے آپ کو حق، سچ، نیکی اور بھلائی کی طرف مدعو کرے۔ جب انسان خود اس دعوت کو قبول کر لے اور اس کے اثرات اپنی زندگی میں محسوس کرے، تب وہ دوسروں کو بھی دعوت دینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ تحریک منہاج القرآن کا عالمی مشن تجدید دین اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر مبنی ہے، اور اس مشن کو آگے بڑھانے کے لیے اگلی نسلوں کو اس تحریک کی فکر سے آشنا کرنا ضروری ہے۔

۱۸۔ منہاج القرآن انٹرنیشنل کی سپریم کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے منہاج اسلامک سنٹر جنڈ ضلع اٹک کے لیے وقف کی جانے والی اراضی کا وزٹ کیا اور اسی حوالے سے منعقدہ تقریب میں شرکت کی اور گفتگو فرمائی۔ چیئرمین سپریم کونسل ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ خلوص نیت کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کے دین کی اشاعت اور ترویج کے لیے جو بھی کام کیا جاتا ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول کی بارگاہ میں قبول و منظور ہے۔ اللہ رب العزت اس سنٹر کو آپ سب کے اور اہلِ علاقہ کے ایمان کی حفاظت اور تقویت کا ذریعہ بنائے۔ تقریب میں حاجی ملک محمد حیات، حاجی ملک نور محمد، حاجی ملک محمد اسحاق، حاجی ملک محمد فاروق، ملک محمد اویس، اور عائشہ اروبا نے چیئرمین سپریم کونسل کو 3 کنال اراضی برائے اسلامک سنٹر جنڈ کے کاغذات دیے، اور عدیل ملک، ملک شعیب، اور ملک ارشد نے مسجد قطب گلشن امام حسین ڈنگی ناڑی روڈ جنڈ کے کاغذات رجسٹری دیے۔ اس موقع پر تحریک منہاج القرآن کے جملہ فورمز کے قائدین و کارکنان اور مقتدر شخصیات شریک تھیں۔

۱۹۔ منہاج القرآن انٹرنیشنل کی سپریم کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے جامع مسجد عطائے محمد و منہاج القرآن اسلامک سنٹر میانوالی کا افتتاح کیا اور زیرِ تعمیر بلڈنگ کا وزٹ کیا، اسلامک سنٹر میں جامع مسجد، گوشۂ درود اور تحریک منہاج القرآن میانوالی کے جملہ فورمز کے دفاتر اور کمیونٹی سنٹر تعمیر کیا جائے گا۔ اس موقع پر نائب ناظم اعلیٰ انجینئر محمد رفیق نجم، نائب ناظم اعلیٰ کے پی کے چودھری عرفان یوسف، ضلعی صدر تحریک منہاج القرآن میانوالی امیر خان نیازی سمیت تحریک منہاج القرآن کے جملہ فورمز کے ذمہ داران موجود تھے۔

۲۰۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے تحریک منہاج القرآن میانوالی کے ذمہ داران سے نائب ناظم اعلیٰ کوآرڈینیشن انجینئر محمد رفیق نجم کے ہمراہ ملاقات کی۔ چیئرمین سپریم کونسل نے اس موقع پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: "حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے کہ جو لوگ فساد کے دور میں اصلاح کا کام کرتے ہیں، وہ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ آپ لوگ خوش قسمت ہیں جو دینِ اسلام کی دعوت لوگوں تک پہنچا رہے ہیں۔ شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم العالیہ نے آپ کو جو عادات، اطوار، اخلاق اور منہاج دیا ہے، وہ آپ کی پہچان ہے۔ ہمیشہ اس پر قائم رہیں، اور معاشرے میں اسلام کا پیغام امن و محبت پھیلاتے رہیں۔

۲۱۔ منہاج القرآن انٹرنیشنل کی سپریم کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے پہاڑ پور ڈیرہ اسماعیل خان میں منعقدہ عظیم الشان "رحمۃ للعالمین کانفرنس" میں شرکت کی اور خطاب فرمایا۔ کانفرنس میں ہزاروں مرد و خواتین کی شرکت کی۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے کہا کہ رحمۃ للعالمین کا مفہوم صرف یہ نہیں کہ نبی اکرم ﷺ ہمارے لیے رحمت ہیں، بلکہ یہ بھی ہے کہ ہمیں اس رحمت کا عملی نمونہ بننا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: 'میں تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔' ہمیں اس رحمت کے پیغام کو اپنی زندگیوں میں شامل کرنا ہے، تاکہ ہم بھی اپنے ارد گرد کے لوگوں کے لیے رحمت بن سکیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات ہمیں بتاتی ہیں کہ کس طرح ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ شفقت اور محبت سے پیش آنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: 'تم میں سب سے بہترین وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کے لیے بہترین ہو۔' یہ تعلیمات ہمیں یہ سکھاتی ہیں کہ ایک مومن کی حیثیت سے ہمیں اپنے خاندان اور معاشرے میں محبت اور احترام کو فروغ دینا چاہیے۔ اختتام پر انہوں نے منہاج القرآن کے تمام فورمز اور تنظیمات کو عظیم الشان کانفرنس منعقد کرنے پر مبارکباد پیش کی۔

شیخوپورہ: تحریک منہاج القرآن شیخوپورہ کے زیر اہتمام عظیم الشان میلاد مصطفی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے خصوصی شرکت کی اور حضور نبی اکرم ﷺ کے صبر، تحمل، حلم، برداشت، عفو و درگزر اور رحمت کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ چیئرمین سپریم کونسل ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے میلاد کانفرنس کے شاندار انعقاد پر تحریک منہاج القرآن (شیخوپورہ) و جملہ فورمز کے ذمہ داران اور منتظمین کو مبارکباد دی۔ تقریب میں مرکزی نائب ناظم اعلیٰ علامہ رانا محمد ادریس قادری، میاں زاہد اسلام، رانا وحید شہزاد، میاں عنصر محمود، آصف سلہریا ایڈووکیٹ، تحریک منہاج القرآن شیخوپورہ کے جملہ فورمز کے قائدین و کارکنان نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔

منہاج القرآن انٹرنیشنل کی سپریم کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا شیخوپورہ پہنچنے پر شاندار اور پرتپاک تاریخی استقبال کیا گیا۔ شیخوپورہ کے اس دورۂ کے دوران ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے منہاج گرائمر سکول (القادریہ کیمپس) کالج روڈ شیخوپورہ اور کالج آف نرسنگ & الائیڈ ہیلتھ سائنسز کا افتتاح کیا۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ تعلیم اور صحت کے شعبے میں جدید تعلیم اور تربیت کی فراہمی وقت کی اہم ضرورت ہے۔ منہاج القرآن ہمیشہ معاشرتی ترقی اور انسانیت کی خدمت کے لیے مختلف اقدامات میں مصروف عملی رہتی ہے۔ شیخوپورہ کے اس دورہ کے دوران ڈاکٹر حسن محی الدین قادری سے تحریک منہاج القرآن، منہاج القرآن ویمن لیگ، پاکستان عوامی تحریک، منہاج القرآن علماء کونسل، منہاج یوتھ لیگ، مصطفوی سٹوڈنٹس موومنٹ اور ایم ایس ایم سسٹرز کے ضلعی و تحصیلی ذمہ داران نے بھی ملاقات کی۔

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا تنظیمی دورہ شیخوپورہ

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا تنظیمی دورہ خیبر پختونخوا

اسلام آباد

شیخوپورہ

Monthly MINHAJ-UL-QURAN LAHORE
NOV-2024
Regd CPL No.41

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی طبع ہونے والی نئی کتب

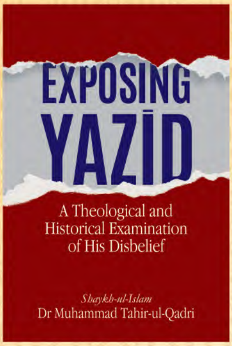

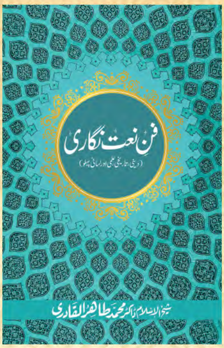

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری اور پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کی طبع ہونے والی نئی کتب

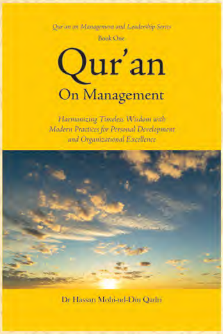

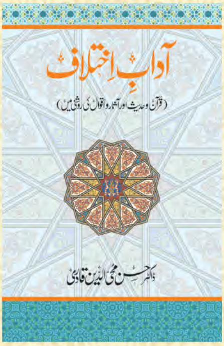

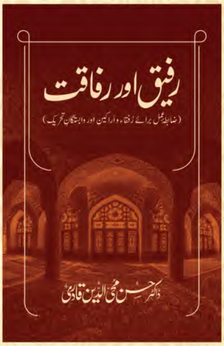

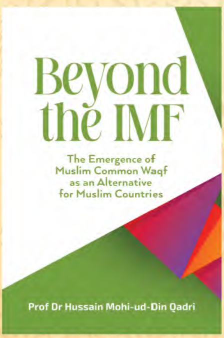

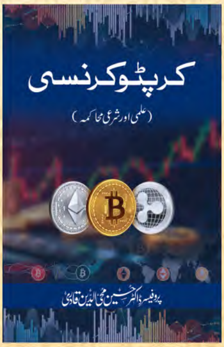

علمی و عملی، اخلاقی و روحانی، تعلیمی و سائنسی فقہی و قانونی، انقلابی اور فکری و عصری

موضوعات پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی 625 سے زائد کتب دستیاب ہیں